رشتے کی موت



عمران، ایکس ٹو، بلیک زیرو،
صفدر اور جولیا کے کارنامے

فرشتے کی موت

مظہر الحق علوی

پُر اسرار تاریکی میں ڈوبی ہوئی یہ [illegible] رات تھی۔ ایک قیامت کی رات، جس کا اندھیرا پھیلتے ہی شہر کے باسیوں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے کی بجائے خوف کے مارے پھیلنا شروع کر دیتی تھیں اور پھر ایک مخصوص وقت کے دوران وہی [illegible] ہوتا تھا۔ جس کا [illegible] کے تجربات کے [illegible] سے گزر چکے تھے۔

[illegible] پچھلی راتوں [illegible] سلسلہ [illegible] دم اس انتہا [illegible] میں تبدیلی آتی چلی [illegible] پہلی [illegible] سے بالکل ہی مختلف [illegible] کے آسمان پہ ایک عجیب و غریب [illegible] عجیب [illegible] دیکھ کر خوف کی بجائے کچھ لطف ہی محسوس ہوا تھا۔

رات کے ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیانی وقت میں، جب کہ لوگ سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ آسمان ایک دم

روشن ہو گیا۔ یہ روشنی ان چمک دار دھبوں کے باعث پھیلی تھی جن کی تعداد بارہ سے پندرہ تک تھی۔ بارہ سے پندرہ تک اس لیے کہ یہ دھبے مستقل روشن نہیں رہتے تھے بلکہ ان میں سے دو چار چند لمحوں کے لیے بجھ جاتے۔ پھر وہ روشن ہو جاتے اور ان کی بجائے دوسرے دو چار دھبے بجھ جاتے۔ اپنے اپنے گھروں کے آنگنوں اور چھتوں سے ان پُرکدار دھبوں کو دیکھنے والے نہیں جان سکے تھے کہ آخر یہ روشن دھبے کیا چیزیں ہیں۔ ان دھبوں کی روشنیوں کے رنگ بھی مختلف تھے اور سائز بھی، وہ برابر ایک جگہ پر قائم بھی نہیں رہتے تھے بلکہ اپنے دائیں بائیں تھوڑی بہت حرکت بھی کرتے رہتے۔

بچوں کی اکثریت نے ان دھبوں کو دیکھ کر تالیاں بجانا شروع کر دی تھیں۔ نوجوانوں کی اکثریت نے پہلے پہلے کچھ دیر تو ان دھبوں کو حیرت سے دیکھا تھا اور پھر ان کے ہونٹوں پر نوجوانی کی مخصوص لاپرواہ مسکراہٹ اُتر آئی تھی۔

"قندیلیں ہیں! رنگین قندیلیں!" ان کے پُرجوش اور جذباتی ذہنوں میں مشترکہ طور پر یہ ہی خیال پیدا ہوا تھا البتہ چند ضعیف بوڑھوں کے ماتھوں کی شکنوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن ان چند ضعیف بوڑھوں کے ماتھوں پر گہری

ہونے والی شکنیں نظر انداز کر دی گئی تھیں اور آسمان پر نمودار ہونے والے ان رنگین اور روشن دھبوں کو آئندہ یوم آزادی پر جشنِ آزادی کے سلسلے میں آغاز کا شگون سمجھ کر دلچسپی، مسرت اور لاپرواہی سے دیکھا گیا تھا اور بس دوسرے روز بھی آسمان پر یہ قندیلیں نمودار ہوئیں تھیں اور دس پندرہ منٹ تک زمین والوں کا جی لبھاتی رہیں لیکن پھر ان میں سے نیلے رنگ کی ایک قندیل سرخ رنگ کی قندیل سے جا ٹکرائی تھی۔ دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ دونوں قندیلیں جب ایک دوسرے سے ٹکرائی تھیں تو ایسی آواز پیدا ہوئی تھی جیسے بجلی کڑکنے سے پیدا ہوتی ہے اور ان کے باعث ایسی روشنی سے آسمان منور ہو گیا تھا۔ جیسے رات کو سورج طلوع ہو گیا ہو۔ سورج جیسی یہ روشنی صرف چند لمحوں کے لیے موجود رہی تھی اور جب یہ روشنی غائب ہوئی تو باقی قندیلیں بھی اس کے ہمراہ غائب ہو چکی تھیں۔

تیسری رات کا واقعہ اس سے آگے کا تھا۔ قندیلیں اپنے مخصوص وقت میں نمودار ہوئیں تقریباً دس منٹ تک آسمان پر منڈلاتی رہیں پھر ایک قندیل میں سے روشنی کی لکیر پھوٹی جس کا رخ زمین کی طرف تھا۔ صرف چند سیکنڈوں کے وقفے سے پورے شہر نے ایک خوفناک دھماکے کی آواز سنی

تھی اور آئندہ پندرہ منٹ کے اندر اندر شہر کا ہر جاگنے والا آدمی جان چکا تھا کہ قندیل سے چھوٹنے والا روشنی دراصل روشنی نہیں بلکہ آگ تھی جس نے شہر کے صاحب حیثیت لوگوں کے رہائشی علاقے میں ایک تاجر کے بنگلے کو آن واحد میں خاک کا ڈھیر بنا دیا ہے۔ یہ حادثہ اتنا اچانک، غیر متوقع تھا کہ بنگلے میں موجود کوئی بھی فرد فرار حاصل نہ کر سکا تھا البتہ لاشوں کی علیحدہ علیحدہ شناخت کرنا اسی طرح ناممکن ہو گیا تھا جیسے دو کنوؤں کے پانی کو ایک گلاس میں جمع کر کے دوبارہ انہیں علیحدہ علیحدہ پہنچاننے کی بے سود کوشش۔ قندیل سے برآمد ہونے والی اس آگ نے ہر شئے کو راکھ اور مٹی میں بدل دیا۔

اس تیسری رات میں خوف و ہراس اس طرح پھیلا جس طرح تند سیلاب کا پانی گلی کوچوں میں پھیل جاتا ہے۔ یہ رات شہر کے اکثر لوگوں نے آنکھوں آنکھوں میں کاٹی۔ بوڑھے لرزتے ہونٹوں اور کپکپاتی جھریوں کے ساتھ اپنی گہری آنکھوں سے بس آسمان کو دیکھے جاتے تھے۔ نوجوان لوگ کچھ سمجھ میں نہ آنے کے باوجود گہری سوچ میں تھے اور بچے ان بڑوں کو پریشان اور گم سم دیکھ کر بری طرح سہم گئے تھے۔

لیکن چوتھی رات کا واقعہ ان پچھلے واقعات سے کہیں آگے

کا تھا۔ قندیلیں آسمان پر نمودار ہوئی تھیں اور لوگ ابھی ان آسمانی بلاؤں کے کسی عذاب کے منتظر ہی تھے کہ جنگی جہازوں کی گونج دار آواز نے اردگرد کی ہر آواز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ جنگی جہاز ملکی فضائیہ کی طرف سے فضا میں بھیجے گئے تھے تاکہ پورے شہر کے کاروبار زندگی کو معطل کر دینے والی آرائشی قندیلوں کا سدباب کیا جائے۔

جنگی جہاز جوں ہی فضا میں بلند ہوئے اور انہوں نے اپنا رخ ان قندیلوں کی طرف کیا۔ وہ تمام قندیلیں برق رفتاری کے ساتھ ایک سیدھی قطار میں ہو گئیں اور ان میں سے ویسی ہی آتشی لکیریں پھوٹنے لگیں جیسی ایک رات قبل نکلی تھی۔ ان لکیروں کا رخ جنگی جہازوں کی طرف تھا۔

آتشی لکیروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر ان تین میں سے دو جہازوں نے غوطہ لگایا تھا اور بچ نکلے تھے لیکن تیسرا طیارہ لکیر کی زد سے نہیں نکل سکا تھا اور فضا ہی میں اس طیارے کا وجود ایک جہاز کی بجائے ایک شعلے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ پھر وہ شعلہ اتنی تیزی سے زمین کی طرف لپکا تھا۔ جتنی تیزی کے ساتھ کوئی اینٹ یا پتھر بلندی سے زمین کی طرف لوٹتا ہے۔ طیارے کے زمین پر گرنے سے ایک خوفناک دھماکہ ہوا تھا جس نے دلوں کو دہلانے میں کامیاب رول ادا

کیا تھا۔ باقی دو طیارے غوطہ لگانے کے بعد دوبارہ اوپر کو اُٹھے تھے اور تیزی سے قندیلوں کی طرف بڑھے تھے۔ تب وہ آگ برسانے والی قندیلیں ایک ہی رفتار سے ایک ہی رُخ پر تیر کی تیزی سے اڑنے لگی تھیں۔ ان کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ایک سے دوسری دفعہ پلک جھپکنے کے درمیانی وقفے میں وہ آسمان سے غائب ہو چکی تھیں۔

جنگی طیارے کچھ دور تک ان کے تعاقب میں گئے تھے لیکن پھر انہوں نے رخ بدل لیے تھے اور واپس اپنے بیس کی طرف روانہ ہو گئے تھے شاید انہیں ایسا ہی حکم دیا گیا تھا۔

اور اب پانچویں رات تھی۔ اور وہ وقت ہو چکا تھا جب پچھلی چار راتوں سے قندیلیں روشن ہوتی تھیں۔ لوگ خوفزدہ نظروں سے آسمان کو دیکھ رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ آج کی رات شہر پر کیا گذرے گی۔

اچانک ایک کے بعد ایک قندیلیں آسمان پر یوں دکھائی دینے لگیں جیسے سرِشام اندھیرے پھیلنے پر اسٹریٹ لائیٹس یکے بعد دیگرے روشن ہوتی ہیں۔ لوگوں کے دل زور سے دھڑکے اور نظریں آسمان میں جیسے اٹک کر رہ گئیں۔

قندیلیں صرف ایک منٹ تک فضا میں ڈولتی رہیں۔ پھر بتدریج ان کے درمیانی فاصلہ بڑھتا گیا۔ یہ پچھلی چار راتوں

سے مختلف واقع تھا۔ ایک مخصوص فاصلے پر جا کر قندیلیں رُک گئیں۔ پھر بیک وقت ان سب سے آتشی لکیریں پھوٹیں جن کا رخ زمین کی طرف تھا۔

لکیروں کو پھوٹتے دیکھ کر لوگوں کے سانس اوپر کے اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے شہر کے ہر آدمی کو سکتہ ہو گیا تھا لیکن یہ کیفیت اتنے معمولی وقفے کے لیے تھی کہ اس کا کوئی شمار و حساب نہیں رکھا گیا البتہ ان لکیروں کے زمین کے مختلف حصوں سے ٹکرانے کے فوراً بعد جو چیخ و پکار ہوئی تھی اس کی مثال قیامت کے شور سے دنیا غالباً زیادہ، مختلف نہ ہوگا۔

یہ آتشی لکیریں رہائشی آبادیوں کاروباری مرکزوں، سرکاری اداروں، جانوروں کے فارموں غرض شہر کے ہر قابلِ ذکر حصے سے ٹکرائی تھیں اور جس شے سے بھی ٹکرائی تھیں اسے مٹی کا ڈھیر بنا گئی تھیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے شہر پر کوئی آسمانی عذاب اترا ہے۔ آسمانی کتابوں میں درج شہروں کی تباہی کے واقعات اس شہر کو دیکھ کر فوراً یاد آتے تھے۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ شہر کسی پرانے زمانے میں تہذیب و زندگی کا نمونہ رہا ہو گا جسے رات کی رات

ہیں زمین میں سے کھود کر نکالا گیا ہے۔
چشمے ان یہ نندبیں دکھائی نہیں دی تھیں۔



اعلیٰ سطح کا اجلاس چھ گھنٹے تک جاری رہا تھا اور بہت دور رس فیصلوں کے بعد رات کے ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوا تھا۔ وزیر داخلہ نے بذاتِ خود اجلاس کی صدارت کی تھی سارے اجلاس کے دوران ان کی آنکھوں میں پریشانی اور چہرے پر کھچاؤ رہا تھا۔ اجلاس نے اہم فیصلوں اور ان پر فوری عمل درآمد کے احکامات جاری کرنے کے باوجود وزیر داخلہ کی بے چینی کم نہیں ہوئی تھی۔

اجلاس کے اختتام کا اعلان کرنے اور اس کے بعد سر سلطان کے ہمراہ اپنی گاڑی تک آنے کے دوران وزیر داخلہ نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ اس دوران میں انہوں نے دو بار سر سلطان کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور ان کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے اب وزیر داخلہ کے احکامات پر عمل درآمد اور اس کے نتائج کا انحصار صرف سر سلطان پہ ہو۔

"آپ اپنے ذہن کو آرام دینے کی کوشش کریں جناب!"
سر سلطان نے وزیر داخلہ سے بہت دیر کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔ وزیر داخلہ نے گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بہت ڈھیلے ہاتھوں سے سر سلطان کے ساتھ مصافحہ کیا تھا۔

"میں خوف زدہ ہوں سلطان صاحب!" وزیر داخلہ نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ملک کے ایک پورے شہر کی تباہی کا میں اخلاقی طور پر ذمہ دار ہوں۔ عام طور پر ایسے واقعات کے بعد وزیر حضرات اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے کر ذمہ داری سے سبکدوش ہوتے اور اپنے فرض کی ادائیگی میں سرخرو ہونے کی غیر مفید کوشش کرتے ہیں۔ کرنے کو میں بھی یہ کر سکتا ہوں، لیکن یہ صرف ایک وزارت کا معاملہ نہیں ہے۔ میں صرف وزیر نہیں۔ اس ملک کا شہری بھی ہوں اور یہ وطن میرا وطن ہے۔ وزارت سے الگ ہونا اہم نہیں، اہم بات یہ ہے کہ ہم ان اسباب کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں جن کے باعث.... آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا....؟"

وزیر داخلہ نے جملہ توڑ کر آہستگی سے کہا تھا۔

"میں سمجھ رہا ہوں جناب!" سر سلطان کی آواز میں ہمدردی اور افسوس تھا۔ "میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور

یقین رکھیے کہ سیکرٹ سروس کا محکمہ اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ بہت جلد اس معاملے سے نپٹ لے گا۔ خدا حافظ۔"

سر سلطان نے وزیر داخلہ کی کار کا دروازہ بند کر کے نیم تاریک کمپاؤنڈ میں کھڑے کھڑے ہاتھ ہلایا تھا اور جب کار کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر تاریکی میں گم ہو گئی

وزیر داخلہ کی کار تیز رفتاری سے چلتی ہوئی شہر کے مصروف راستوں کو پیچھے چھوڑ آئی تھی اور اب ان کی رہائش گاہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک شاہراہ کا موڑ کاٹ کر گاڑی جب نیم سنسان سیدھی سڑک پر آئی تو ڈرائیور نے بیک ویو میں آتی ایک جیپ کو دیکھ کر ہلکی سی تشویش سے سر ہلایا تھا.. جیپ اس نے میٹنگ پیلس سے نکلنے کے بعد ہر چوراستے پر دیکھی تھی۔ کبھی آگے کبھی پیچھے یہ جیپ مسلسل دکھائی دے رہی تھی اور اب جب کہ ایک نیم سنسان سیدھی سڑک پر وزیر داخلہ کی کار رہائش گاہ کے نزدیک پہنچ گئی تھی تو جیپ باقاعدہ پیچھا کرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

وزیر داخلہ کا ڈرائیور ایک چھ فٹ کا سرخ و سفید رنگت کا نوجوان تھا۔ سرحدی علاقے کا رہنے والا یہ نوجوان اپنے

قد و قامت اور اپنی ذہانت کے باعث ہی وزیر داخلہ کا ڈرائیور منتخب ہوا تھا۔ اور یہ انتخاب سر سلطان کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ سر سلطان کے پاس اس نوجوان کو عمران ہی نے بھیجا تھا۔ شہر میں رزق کمانے کے لیے آیا ہوا یہ لمبا چوڑا نوجوان عمران کو ایک چائے خانے میں میزیں صاف کرتا ہوا ملا تھا۔ عمران اسے گھر لے گیا اور دو مہینے کے بعد جب سلیمان نے قوت برداشت ختم ہو جانے کے بعد عمران کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ یا تو گل خان نسوار کھانا چھوڑ دے یا یہ گھر چھوڑ دے تو عمران نے مجبوراً اسے سر سلطان کے پاس بھجوا دیا تھا کہ اس خوبصورت نوجوان کو وزارتِ داخلہ میں بحیثیت ڈرائیور نوکری دے دی جائے اور گل خان وزیر داخلہ کا ڈرائیور ہو گیا تھا۔ اس نے کار کی رفتار آہستہ کر دی اور جیپ کو نزدیک آنے دیا۔ جیپ اپنی سی رفتار سے چلتی ہوئی بتدریج کار کے نزدیک آئی اور پھر کار سے آگے نکلتی چلی گئی۔

گل خان ڈرائیور نے جیپ میں موجود لوگوں کو ایک نظر دیکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک نوجوان سا لڑکا بیٹھا ہوا تھا اور اس کے برابر کی سیٹ پر جوان سا مرد۔ گل خان برابر کی سیٹ والے اس آدمی کو دیکھ کر چونکا تھا۔ یہ چہرہ اس کے لیے جانا پہچانا تھا۔ لیکن صرف ایک جھلک دیکھ لینے کے بعد

گل خان کو شبہ تھا کہ یہ وہی آدمی ہے۔

اس نے کار کی رفتار کو آہستہ ہی رکھا اور جیپ کو آگے نکل جانے دیا۔ پھر اس نے تیزی سے کار کو الٹے ہاتھ ایک سائیڈ وے پر موڑ دیا تھا۔

"یہ کس طرف جا رہے ہو گل خان!"

پچھلی نشست سے وزیر داخلہ کی سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز آئی۔ شاید وہ آنکھیں بند کیے کسی گہری سوچ میں تھے۔

"آپ بے فکر رہو صاحب!" گل خان نے ادب سے کہا:

"ہم گھر ہی جا رہا ہے لیکن ذرا سا راستہ بدل کے!"

"اچھا... جلدی چلو میں بہت تھکا ہوا ہوں!" وزیر داخلہ کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔ وہ شاید دوبارہ اپنی سوچ میں گم ہو چکے تھے۔

گل خان نے سائیڈ وے سے گزر کر ایک مختصر سا چکر لگایا اور دوبارہ اس نیم سنسان سیدھی سڑک پر آ گیا۔ دراصل وہ کسی بھی طرح کا رسک لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سر سلطان نے اسے ملازمت کے لیے روانہ کرنے سے پہلے دس منٹ کا جو لیکچر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ گل خان کو یاد رہتا تھا۔ چنانچہ ایک جیپ کو مشکوک حالت میں پیچھا کرتے ہوئے دیکھ کر اس نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور اب پھر اکیلا چلا جا رہا تھا۔

جیپ اب کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر گل خان نے گاڑی کی رفتار آہستہ کر دی۔ سامنے وزیرِ داخلہ کی رہائش گاہ دکھائی دے رہی تھی جس کے دروازے پر دو باوردی پہرے دار بندوقیں کندھوں سے لٹکائے ٹہل رہے تھے۔

گاڑی کو قریب آتے دیکھ کر وہ گیٹ کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اپنی بندوقیں کندھوں سے اتار کر ان کے بٹ زمین سے ٹکا دیئے تھے۔

گل خان نے گیٹ کے نزدیک گاڑی روکی اور اُتر کر کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ وزیرِ داخلہ نے کار سے باہر نکل کر گیٹ پر موجود پہرے داروں کی طرف تھکی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر اندر کی طرف قدم بڑھایا۔ دونوں پہرے داروں نے مخصوص انداز میں سلیوٹ کرنے کے لیے اپنی بندوقوں کو زمین سے اٹھا کر اپنے پہلوؤں سے لگایا۔ ابھی ان کے سلیوٹ کا پروسس پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ آندھی اور طوفان کی طرح ایک جیپ جانے کہاں سے نمودار ہوئی۔ لمحے دو لمحے کے لیے گیٹ کے پاس رُکی اور گولیوں کی بارش کرتی ہوئی دوبارہ تیز رفتاری سے آگے نکل گئی۔

گل خان نے پہچان لیا۔ وہی جیپ تھی اور اس جیپ میں سوار وہ آدمی بھی اب گل خان کے لیے اجنبی نہیں رہا

تھا۔ اچانک کراہوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

اس نے جھٹکے سے سر گھما کر دیکھا۔ وزیرِ داخلہ گیٹ کے عین درمیان میں زمین پر پڑے تھے اور خون ان کے سینے سے تیزی کے ساتھ بہتا ہوا ان کا لباس بھگو رہا تھا۔ دونوں پہرے داروں میں سے ایک پہرے دار منہ کے بل گرا ہوا تھا اور اس کے منہ سے کوئی کراہ بھی نہیں نکل رہی تھی۔ جب کہ دوسرا پہرے دار ابھی تک حیرت زدہ سا بندوق ہاتھ میں تھامے دور جاتی ہوئی جیپ کو دیکھ رہا تھا۔

گل خان لپک کر وزیرِ داخلہ کے نزدیک پہنچا۔ ان کی آنکھیں اذیت کے باعث بار بار کھلتی اور بند ہوتی تھیں۔ انھوں نے گل خان کو دیکھ کر آنکھوں سے جھکنے کا اشارہ کیا۔

"ہسپتال چلو!" انھوں نے گل خان کے جھکنے پر نہایت مدھم آواز میں کہا:

"وقت بہت کم ہے ہسپتال چلو!"

گل خان نے جبڑہ بھینچ لیا اور مضبوطی سے وزیرِ داخلہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ پھر وہ زمین پر منہ کے بل گرے ہوئے پہرے دار کی طرف گیا تھا لیکن جب اس نے اسے سیدھا کیا تو دیکھا کہ وہ مر چکا تھا۔ گولی براہِ راست

اس کے دل میں پیوست ہوئی تھی۔

گل خان نے دوسرے پہرے دار کو اشارے سے کچھ سمجھایا اور پھر تیزی سے کار کی طرف لپکا۔

"خوچہ یہ تم تھا عمران صاحب!..." گل خان رنج دکھ اور غصے کی ملی جلی آواز میں زیرلب کہا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔



عمران غائب تھا۔ فلیٹ، رانا پیلس، دانش منزل یا شہر کے کسی بھی خطے میں عمران کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ سر سلطان، بلیک زیرو، صفدر، جولیا، جوزف اور سلیمان سب اپنے اپنے طور پر عمران کی تلاش میں تھے، لیکن جانے اسے زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا تھا۔

سلیمان کا کہنا تھا کہ وہ آخری بار ایک ہفتہ قبل ایک بریف کیس کے ساتھ گھر سے نکلے تھے اور جانے دفعہ پوچھنے کے باوجود انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

عمران کی گم شدگی سلیمان کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ عمران ہفتوں فلیٹ سے غائب رہتا لیکن اس کے باوجود سلیمان ہمیشہ عمران کے لیے کھانا پکا کر رکھتا کہ جانے کس وقت وہ ٹپک پڑے اور کھانا طلب کر لے کھانا تیار نہ ہونے کی صورت میں عمران جس جس طرح سلیمان کو بددعائیں اور کوسنے دیتا تھا انہیں سن کر شروع شروع میں سلیمان کے تن بدن میں آگ

لگ جاتی تھی لیکن بعد میں اس نے یہ ترکیب نکالی تھی کہ عمران کے لیے کھانا ضرور پکا لیتا تھا چاہے اسے تیسرے دن فرج سے نکال کر پھینکنا ہی کیوں نہ پڑے۔ کھانے کی اس تیاری کی وجہ عمران سے محبت کے ساتھ ساتھ یہ بھی تھی کہ عمران کے طعنے سلیمان سے برداشت نہ ہوتے تھے چنانچہ اس ہفتے کے دوران ہر روز وہ تازہ کھانا تیار کرتا اور ایک ڈش میں سالن نکال کر فرج میں ٹکا دیتا۔ اب فرج میں چھ سات قسم کے مختلف کھانوں کی ڈشیں پڑی تھیں اور سلیمان اس روز کی بے گار سے بڑی طرح تنگ آیا ہوا تھا۔

ایک کے بعد ایک اس نے وہ سب ڈشیں نکال کر پہلے کھانے کی میز پر سجائیں۔ انہیں دیکھ کر جوزف کی باچھیں کھل اٹھی تھیں۔

"باورچی! آج کوئی دعوت ہے کیا....؟" اس نے سلیمان کو مخاطب کرتے ہوئے صاحبانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاں! دعوت ہے....." سلیمان نے ناک سکیڑ کر کہا تھا۔ "گلی کے کتوں کی دعوت.....! کھاؤ گے کیا—" سلیمان نے جوزف کے چٹکی لی تھی۔

"شٹ اپ.....! تم مجھے گلی کا کتا سمجھتے ہو کیا!" جوزف نے دانت نکالے۔

"نہیں بالکل نہیں۔!" سلیمان نے انکار میں گردن ہلائی۔ "میں تمہیں گلی کا کتا نہیں بلکہ دھوبی کا کتا سمجھتا ہوں۔!"

"تم چڑی مار....." جوزف نے دانت نکوسے "تم مجھے دھوبی کا کتا کہتے ہو۔!" وہ باقاعدہ سلیمان پر جھپٹا تھا لیکن عین اس لمحے جب سلیمان ڈوئی اٹھا کر خود پر جھپٹتے ہوئے جوزف کا وار روکنے کے لیے تیار ہو چکا تھا کال بیل کی آواز گونجی اور وہ دونوں جیسے اپنی اپنی جگہ منجمد ہو گئے۔

"دیکھو! باہر دروازے پر کون ہے۔!" جوزف نے تحکمانہ انداز سے سلیمان سے کہا اور سلیمان نے غنیمت جانا کہ اس طرح جوزف جیسی بلا سے اس کی جان چھوٹ رہی تھی۔ اس نے ڈوئی وہیں ڈائننگ ٹیبل پر رکھی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے پر سر سلطان کا ایک ملازم تھا۔

"تمہیں صاحب نے بلایا ہے اور اس حبشی کو بھی۔ کیا نام ہے اس کا.... ہاں جوزف۔"

سر سلطان کے ملازم نے سلیمان کو دیکھتے ہی کہا ہے۔

"تمہارے صاب نے ہمیں بلایا ہے یعنی کہ ہمیں.... مجھے اور اس کالے بھوت کو....." سلیمان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہو گی بھائی— انہوں نے عمران صاحب کو بلایا ہو گا۔"

"نہیں عمران صاحب کو نہیں بلکہ تمہیں اور اس جوزف کو بلایا ہے۔ مجھے انہوں نے یہ ہی کہا تھا۔" ملازم نے وثوق سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا ان کا باورچی کہیں چھٹی پر گیا ہوا ہے۔" سلیمان بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش میں تھا۔

"نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں!" اس ملازم نے انکار میں گردن ہلائی۔

"تو پھر کیا وہ نوکری چھوڑ کر بھاگ گیا!" سلیمان کو اپنے بلاوے کا ایک ہی سبب معلوم ہو رہا تھا۔

"ارے نہیں یار! ایسی بات نہیں ان کا باورچی موجود ہے۔ ابھی جب میں تمہاری طرف آنے کے لیے گھر سے نکلا تو وہ باورچی خانے میں سالن بگھار رہا تھا۔" ملازم ذرا سا بور ہو گیا تھا۔

"تو پھر..." سلیمان نے باقاعدہ سوچنے کے انداز میں سر کھجایا۔"سر سلطان نے مجھے کیوں بلایا ہے!"

"صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ اس حبشی کو بھی بلایا ہے۔ دراصل بات یہ نہیں ہے جو تم سوچ رہے ہو۔" ملازم اب کی بار خاصی بیزاری سے بولا تھا۔" وہاں اور بھی بہت سے لوگ جمع ہیں۔ عمران صاحب کے والد صاحب بھی ہیں اور بھی بہت سے لوگ میرا مطلب ہے...." وہ ملازم رُکا۔" بس تم چلنے کی تیاری کرو!"

"خیریت تو ہے نا...." ایک دم سلیمان کا دل زور سے دھڑکا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"میرے منہ میں خاک کہیں عمران صاحب کے دشمنوں کو تو کچھ نہیں ہو گیا۔"

"مجھے زیادہ تو پتہ نہیں بھائی" ملازم نے اب کے سلیمان کے کندھوں کے اوپر سے جھانکتے ہوئے اندر کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔" لیکن سنا ہے کہ سر سلطان کو ایک خط ملا ہے۔ سب لوگ اس خط کے سلسلے میں وہاں جمع ہیں اور سر سلطان نے مجھے بھیجا ہے کہ تمہیں اور جوزف کو لے کر جلدی پہنچوں۔"

"خدا خیر کرے" سلیمان نے ان دیہاتیوں کی طرح خوف زدہ آواز میں کہا جو ڈاکیے کے ہاتھوں تار وصول کر کے اسے پڑھے بغیر ہی رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں۔

"کون ہے...." اندر سے جوزف کی آواز سنائی دی۔

"ملک الموت ہیں تمہارے" سلیمان نے چلا کر وہیں سے اسے جواب دیا۔"بلاوا لاتے ہیں تمہارا!"

"ملک الموت..." جوزف نے بھی وہیں سے چلا کر پوچھا تھا۔" پوچھو کہاں سے آئے ہیں اور کس نے بھیجا ہے ان کو!"

"ابے سر سلطان کا آدمی ہے۔ انہوں نے بلا بھیجا ہے ہم دونوں کو" سلیمان نے جوزف کو دروازے کی طرف آتے دیکھ کر نرمی سے کہا "کوئی خط آیا ہے وہاں اور ہم لوگوں کو وہ خط سنانے کے لیے بلایا ہے۔"

"کوئی افریقہ سے آیا کیا؟" جوزف کی باچھیں ایک دم کھل اٹھیں۔

"اونہہ بلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں" جوزف نے جل کر کہا "ابے! افریقہ سے نہیں بلکہ جہنم سے آیا ہے خط تیرے لیے۔"

"اوہ! اب سمجھا!" جوزف نے سر ہلایا "میرے چچا کا ایک بیٹا تھا۔ جوانی کے دنوں میں ایک شکار کے دوران اسے ایک ہاتھی نے اپنی سونڈ میں لے کر اس کا جسم چیر کر دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ میرا خیال ہے یہ خط اسی نے لکھا ہوگا۔"

"ہاں! اسی کا خط ہے اور تیرے پتے کی بجائے غلطی سے سر سلطان کے پتے پر آگیا ہے اور اب انہوں نے تجھے بلایا ہے اور ساتھ میں مجھے بھی!"

"تمہیں کیوں بلایا ہے!" جوزف بگڑ کر بولا "خط میرے بھائی کا آیا ہے تمہارا اس سے کیا تعلق۔"

"نہیں میرا تعلق تو کوئی نہیں لیکن ممکن ہے اس تیرے بھائی نے تجھے بھی اپنے پاس بلانے کا لکھا ہو، وہاں جہنم میں۔

ایسی صورت میں تمہیں روانہ کرنے کا بندوبست تو مجھے ہی کرنا ہوگا نا!"

"ابے چیپ چڑی مار کی اولاد!" جوزف بگڑا "ہمارے قبیلے میں صرف وہی آدمی جہنم میں جا سکتا ہے جسے ہاتھی نے ہلاک کیا ہو۔ باقی کوئی آدمی ....."

"چاہے وہ ہاتھی چڑیا گھر ہی کا کیوں نہ ہو" سلیمان نے پھر جوزف کے چٹکی لی ہو۔

"اچھا بھائی! تم دونوں خدا کے لیے اپنا یہ مناظرہ بند کرو۔ دیر ہو گئی تو صاحب مجھے ہی ڈانٹیں گے کہ میں نے کوئی گڑبڑ کی ہو!" ان کو بلانے کے لیے آیا ہوا ملازم ان کی تو تکار سے گھبرا کر بولا۔

"چلو بھائی چلو! ایک منٹ اور بس۔"

پھر وہ اندر کی طرف لپکا تھا اور میز پر دھری ہوئی ڈشیں دوبارہ فرج پر ٹکانے اور سر پر ڈھلی ہوئی روپلی ٹوپی اوڑھنے کے بعد وہ جوزف کو ساتھ لیتا ہوا، اس ملازم کے ساتھ سر سلطان کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ سر سلطان کا ملازم ان ہی کی گاڑی پر آیا تھا۔

ان کی رہائش گاہ پر پہنچ کر سلیمان اور جوزف نے دیکھا کہ وہاں کئی جانے پہچانے چہرے موجود تھے۔ سر سلطان کے علاوہ

عمران کے والد، صفدر، جولیا، رانا، مارشل اور سیکرٹ سروس کے دوسرے کئی کارکن جو سر جھکائے ایک ہال نما کمرے میں خاموش بیٹھے تھے اور سر سلطان کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر بار بار ان کی نظر جاتی تھی۔

"السلام علیکم جی!" سلیمان نے دروازے پر ہی رک کر ہاتھ ماتھے پر لے جاتے ہوئے کہا۔

"گڈ آفٹر نون سر!" جوزف نے سلیوٹ مارنا ضروری سمجھا تھا۔ اس کے بوٹوں کی دھمک سے وہاں موجود ہر آدمی نے چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہیں کچھ پڑھنا لکھنا بھی آتا ہے سلیمان!" سر سلطان نے پوچھا تھا۔

"اخبار پڑھ لیتا ہوں حضور! اور اپنا نام لکھ لیتا ہوں" سلیمان نے مودب انداز میں سر کو تھوڑا سا جھکا کر کہا:

"اس سے زیادہ لکھ پڑھ سکتا تو باورچی کی بجائے کہیں بابو نہ ہوتا حضور!"

سلیمان کے علاوہ چند اور لوگوں کے لٹکے ہوئے چہروں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔

"خیر خیر.... اس گدھے کے ساتھ رہ کر تمہیں بھی باتیں بنانا خوب آگئی ہیں۔"

"خطا کی معافی چاہتا ہوں حضور! لیکن یہ باتیں میں نے اس سے نہیں سیکھی ہیں۔" سلیمان نے ہاتھ سے جوزف کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے نہیں بھئی میں نے جوزف کو نہیں بلکہ اس نامعقول کو گدھا کہا ہے جس کا خط اس وقت میرے پاس موجود ہے"۔

"کس کا خط ہے جی یہ...." سلیمان ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

"ہر شخص نے یہ خط علیحدہ علیحدہ طور پر خود ہی پڑھا ہے۔ تم بھی اسے پڑھ لو اور دیکھ لو اپنے صاحب کے کرتوت...." یہ کہتے ہوئے انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ سلیمان کی طرف بڑھا دیا۔ ان کی آواز میں رنج غصہ پشیمانی اور نفرت کے جذبات ملے جلے تھے۔

سلیمان نے آگے بڑھ کر آہستہ سے سر سلطان کے ہاتھوں سے وہ کاغذ لے لیا اور پھر پیچھے ہٹ کر آہستہ آہستہ خط پڑھنے لگا۔

خط ایک بار پڑھ کر اس نے غور سے ہال میں موجود ایک ایک شخص کی طرف دیکھا ہر کوئی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ سلیمان نے دوبارہ خط کو پڑھنا شروع کیا اور ہر اگلی سطر کے ساتھ اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول رہا تھا۔ اسے اپنے بدن میں ٹھنڈک کی لہر دوڑتی معلوم ہو رہی تھی۔ پھر وہ خط پکڑے پکڑے وہیں زمین

پر بیٹھ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ خط عمران کا تھا۔ خود اس کی تحریر میں اور اس پر ایک ہفتے پہلے کی تاریخ درج تھی۔ سلیمان اب سسکیوں سے رو رہا تھا اور ہال میں موجود لوگوں میں کوئی نہیں تھا جو اسے چپ کرانے کی کوشش کرتا۔ جوزف ناسمجھی کے عالم میں خاموش کھڑا کبھی سر سلطان اور کبھی سلیمان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور سلیمان کے ہاتھ سے خط جھپٹ لیا۔

"کیا آپ مجھے اس خط کے بارے میں بتا سکتے ہیں سر!" اس کی آواز میں سختی تھی۔ ایک ایسی سختی جس میں درخواست شامل تھی۔

"ہاں!" سر سلطان نے گلوگیر آواز میں کہا اور کاغذ جوزف کے ہاتھ سے لے لیا۔ جوزف ہمہ تن گوش منتظر تھا۔



"سلطان صاحب! السلام علیکم۔ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ منکہ مسمی علی عمران ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی آکسن تحریر کرتا ہے کہ فدوی آپ کے محکمے کی مزید خدمت کرنے سے معذور ہے۔ اس کا سبب کسی قسم کا نزلہ، زکام یا کھانسی وغیرہ نہیں ہے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ فدوی نے بہت سوچ بچار کے بعد اپنی زندگی کو ایک نئے ڈھنگ سے گذارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس فیصلے کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ خادم اپنی جان کو اب مزید کسی خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مجھے ایک تنظیم کی طرف سے شمولیت کی ایسی دعوت موصول ہوئی ہے جو اپنی کشش کے اعتبار سے آپ کے محکمے کی خدمت سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ یہ تنظیم جو کچھ کرتی ہے اس کا اندازہ آپ کو بہت جلد ہو جائے گا۔ مجھے اس تنظیم میں ایک اہم عہدہ عطا کیا گیا ہے۔

اور ایک مخصوص آزمائشی مرحلے سے کامیابی سے گذرنے کے بعد انشاء اللہ میرا عہدہ صرف اہم نہیں بلکہ اہم ترین ہو جائے گا اور آپ دیکھیں گے کہ علی عمران جیسا اہم آدمی جس کو آپ ہمیشہ نامعقول، گدھا اور نالائق جیسے القاب سے نواز کر ہی اپنے دل کی تسلی کرتے تھے۔ آپ کے ملک کی کتنی بڑی شخصیت بننے والا ہے۔

میرے پرانے ملازم سلیمان سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ چاہے تو وہ اپنے گاؤں واپس چلا جائے، کیوں کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی اور رہی بات جوزف کی تو وہ کبھی میرا ملازم نہیں تھا اور اس خط کے بعد میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ جہاں چاہے رہے اور خوش رہے ویسے بھی میں نے اسے کبھی زیادہ پسند نہیں کیا۔

میرے والد صاحب قبلہ کو سلام کہیے گا اور کہہ دیجئے گا کہ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا لیکن اب میری باری ہے۔ آنے والے دنوں میں میرے پاس اتنی طاقت ہو گی کہ میں اپنا انتقام لے سکوں گا اور آپ کے لیے کیا عرض کروں۔ آپ تو بس آپ ہی ہیں۔

خدا حافظ

فقط: علی عمران ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی (آکسن)

۷ راگست ۔۔۔۔

سر سلطان نے رُک رُک کر خط پڑھا۔ اس دوران میں کبھی ان کی آواز گلوگیر ہو جاتی اور کبھی ان کا لہجہ غصیلا ہو جاتا۔ خط ختم کرنے کے بعد انہوں نے کاغذ سائیڈ ٹیبل پر ڈال دیا اور سر صوفے کی پشت پر ٹکا کر ایک طویل سانس لیا۔

"کاش تمہاری ماں نے تمہیں جنم نہ دیا ہوتا عمران!" عمران کے والد سر سلطان نے ٹوٹی ہوئی آواز میں سر جھکائے ہوئے کہا۔ "تم نے میری ساری عمر کی نیک نامی پر پانی پھیر دیا کم بخت......"

رحمٰن صاحب مضبوط اعصاب کے مالک تھے لیکن بیٹے کا یہ خط پڑھ سن کر وہ جیسے اندر سے ٹوٹ گئے تھے۔ جولیا اپنی جگہ سے اُٹھ کر آئی اور گھٹنوں کے بل رحمٰن صاحب کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئی۔ پھر اس نے سفید بالوں والے بزرگ عمر کے اس دل شکستہ آدمی کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

جولیا کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ شاید رحمٰن صاحب کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں اور وہ تیزی سے اُٹھ کر بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

سلیمان ابھی تک کارپٹ پر بیٹھا دیوار سے ٹیک لگائے

سسکیاں لے رہا تھا۔ اور جوزف کی آنکھوں میں وحشت لمحہ لمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"میں اس سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتا تھا رحمٰن صاحب!" سر سلطان نے گلوگیر آواز میں کہا اور میں نے اسے سیکرٹ سروس کے محکمے میں...." وہ رک گئے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا: "لیکن وہ بے فیض نکلا رحمٰن صاحب! میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس طرح کا نکلے گا!"

"وہ میرا بیٹا ہے سلطان —" رحمٰن صاحب شدید غصے کے عالم میں بول رہے تھے۔ "لیکن اس نے میرا نام روشن کرنے کی بجائے لوگوں کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا...."

"آخر وہ کون سی تنظیم ہے جس نے عمران صاحب جیسے آدمی کا دل للچا دیا ہے" صفدر نے رک رک کر دبی ہوئی زبان میں کہا: "عمران صاحب جیسے آدمی کو خریدنے کے لئے خیال میں ابھی تک کوئی سکہ رائج نہیں ہوا ہے پھر...."

صفدر جملہ ادھورا چھوڑ کر چپ ہو رہا۔

"آدمی کی نفسیات بہت پیچیدہ ہے صفدر!" رانا نے سرگوشی کے انداز میں کہا تھا: "کبھی اسے لاکھوں کروڑوں میں نہیں خریدا جا سکتا اور کبھی وہ دو کوڑی میں بک جاتا ہے۔ ہر آدمی کی

کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے اس دنیا میں!"

"میں نہیں مانتا!" صفدر نے ضدی آواز میں کہا: "دنیا کے اکثر انسان کسی نہ کسی قیمت پر بک جاتے ہیں لیکن تمام انسانوں کے بارے میں یہ کلیہ درست نہیں ہے ورنہ...."

"عمران کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" رانا نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا: "تم اس کی عزت کسی دیوتا کی طرح کرتے ہو، لیکن تمہارے ہی سامنے اس کی یہ تحریر بتا رہی ہے کہ تمہارا یہ دیوتا بھی بالآخر بک گیا...."

"رانا!" صفدر نے درشت لہجے میں کہا تھا: "تم ہر معاملے میں عمران صاحب کی کاٹ کرنے کی کوشش کرتے ہو اور اس وقت تو تمہیں خدا نے یہ موقع دیا ہے کہ...."

صفدر کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز کمرے میں گونج اٹھی تھی۔

"ہیلو! سلطان سپیکنگ!" سر سلطان نے ریسیور کان سے لگائے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"نہیں...." انہوں نے پریشانی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تیزی سے کہا: "یہ غلط ہے صرف ایک گھنٹہ پہلے

تو وہ میرے ساتھ تھے۔ یہ حادثہ کب ہوا۔۔۔"

دوسری طرف سے کافی طویل گفتگو کی گئی جسے سننے کے ساتھ ساتھ سلطان صاحب کی آنکھیں سکڑتی جا رہی تھیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ گولی اسی نے چلائی تھی"۔ سلطان صاحب نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا سلطان صاحب نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور بغیر کچھ کہے ٹیلی فون پر سنائی دینے والی آواز سن رہے تھے۔

"ٹھیک ہے"... رحمٰن صاحب کی آواز میں غصے کی شدت سے کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ "تم وہیں رکو میں آ رہا ہوں..." پھر انہوں نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور ماتھے پر زور سے ہاتھ پھیرا۔

"کس کا ٹیلی فون تھا سلطان..." رحمٰن صاحب نے سر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا: "اور تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا!"

"وزیر داخلہ کو قتل کر دیا گیا ہے..." سر سلطان نے آنکھیں کھولے بغیر جیسے غنودگی کے عالم میں کہا اور وزیر داخلہ کے ڈرائیور گل خان نے بتایا ہے کہ ان پر گولی عمران نے چلائی ہے۔ وہ عمران کو اچھی طرح پہچانتا ہے!"

"اوہ نو۔۔۔" رحمٰن صاحب اپنی جگہ سے اچھل کھڑے ہوئے اور تیزی سے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑنے لگے: "اگر وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیتا لیکن۔۔"

رحمٰن صاحب رکے اور پھر ٹوٹتے ہوئے شہتیر کی طرح صوفے پر گر گئے۔ ان کا چہرہ اذیت ناک حد تک بھینچ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ ملنے لگے۔

ان پر دل کا دورہ پڑ گیا تھا اور وہ درد کی شدت سے دائیں بائیں تیزی سے اپنا سر پٹخ رہے تھے۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا بابا!" اچانک جوزف نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

"میں نے تمہیں نیک روح سمجھ کر تمہاری خود اختیاری غلامی قبول کی تھی کیوں کہ میرے خیال میں طاقت صرف نیک روحوں ہی کو ملتی ہے لیکن اب تمہاری روح میلی ہو گئی ہے اور تم طاقتور نہیں رہے۔ میں کسی میلی روح کا وفادار نہیں رہ سکتا۔ میں خود کو تمہاری غلامی سے آزاد کرتا ہوں اور میں روحوں کو نیست و نابود کرنے والے دیوتا کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گا چاہے اس کے بعد مجھے خودکشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔"

وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ اور صفدر رانا کے ساتھ مل کر

رحمان صاحب کو اٹھائے تیزی سے باہر نکل رہے تھے۔ عمران کے خط اور پھر بعد میں وزیر داخلہ کو قتل کرنے کے بارے میں جان کر ان کے مضبوط اعصاب بھی جواب دے گئے تھے اور ان پر دل کا دوسرا دورہ تھا۔ پہلا دورہ اس وقت پڑا تھا جب عمران نے گھر چھوڑا تھا اور رحمان صاحب نے اسے یعنی اپنے اکلوتے بیٹے کو ساری جائیداد سے عاق کر دیا تھا۔

سر سلطان ابھی تک صوفے پر بیٹھے تھے ان کا سر آگے کو جھکا ہوا تھا جیسے انہوں نے دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا

جوزف نے اپنے کندھے سے لٹکا ہوا ریوالور نکالا اور اس کو ہاتھ میں تولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ سلیمان بھیگی ہوئی آنکھوں سے سکتے کے عالم میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ سر سلطان نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور تیزی سے کوئی نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو بلیک زیرو!" دوسری طرف سے نمبر ملتے ہی سر سلطان نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"سیکرٹ سروس کے تمام ایجنٹوں کو صرف آدھے گھنٹے کے اندر اندر دانش منزل کے میٹنگ ہال میں جمع ہونے کی ہدایت کرو اور عمران کے سلسلے میں ایک خصوصی حکم جاری کرو!"

سر سلطان کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ سلیمان کو خوف سا محسوس ہوا۔

"ہاں.... عمران کے سلسلے میں۔" سر سلطان کہہ رہے تھے اور پھر ایک صوفے کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے سلیمان نے سر سلطان کے منہ سے نکلنے والا جو حکم سنا وہ اس کی روح فنا کر دینے کے لئے کافی تھا۔ اس کا جی چاہا کر وہ لپک کر اٹھے اور سر سلطان کو ایسا حکم جاری کرنے سے منع کرے لیکن یہ اس کی حیثیت سے باہر تھا۔ اس نے صرف اتنا کیا کہ لرزتی ہوئی ٹانگوں سے اٹھا اور کسی بے آسرا شخص کی طرح ڈولتے ہوئے قدموں کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔

اب کمرے میں صرف سر سلطان تھے جو بلیک زیرو کو اپنا تازہ حکم ڈکٹیٹ کروا رہے تھے۔ ایک عجیب اور چونکا دینے والا حکم، سیکرٹ سروس کی تاریخ میں یہ پہلا حکم تھا جسے سنتے ہوئے بلیک زیرو کی روح بھی کانپ اٹھی تھی۔

○

"عمران کو ہلاک کر دیا جائے"

یہ تھا وہ حکم جو دانش منزل کے میٹنگ ہال میں موجود سیکرٹ سروس کے ہر کارکن کو جاری کیا گیا تھا۔ یہ پیغام ایکس ٹو کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور سننے والوں نے خود ایکس ٹو کی زبان سے سنا تھا۔ یہ صرف حکم نہیں تھا بلکہ ایک بم تھا جو اچانک ہی سیکرٹ سروس کے ان کارکنوں کے درمیان پھٹا تھا اور یہ ایسا بم تھا جس نے تقریباً ہر شخص کے دماغ کو اڑا کر رکھ دیا تھا۔

عمران کی حیثیت ہمیشہ سیکرٹ سروس کے محکمے میں اس طرح رہی تھی جس طرح دودھ میں سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ سیکرٹ سروس کا ہر رکن جانتا تھا کہ عمران ان کے محکمے کا باقاعدہ ملازم نہیں تھا بلکہ ایک آزاد منش اور زندہ دل آدمی ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آج تک اس محکمے کا کوئی کیس عمران کے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا اور اس طرح سے سیکرٹ

سروس اور عمران جیسے لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے لیکن اب یہی سیکرٹ سروس عمران کی جان کے درپے ہو چکی تھی۔

ایکس ٹو نے عمران کو ہلاک کرنے کا حکم دینے سے پہلے میٹنگ ہال کے خفیہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تمام کارکنوں کو عمران کا وہ خط پڑھ کر سنایا تھا جو اس نے سر سلطان کو لکھا تھا۔ پھر انہیں یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ وزیر داخلہ کے قتل میں عمران بھی ملوث ہے بلکہ درحقیقت عمران ہی نے وزیر داخلہ کو قتل کیا ہے۔ یہ ایسی صورت تھی کہ جس کے نتیجے میں سیکرٹ سروس کا اصولی سربراہ ایکس ٹو عمران کو ہلاک کرنے کا حکم جاری کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

رانا نے یہ حکم بہت خاموشی سے سنا تھا۔ وہ عمران سے خوامخواہ کی پرخاش رکھتا تھا شاید اس کی وجہ جولیا رہی ہو یا ممکن ہے کہ وہ عمران کی بے پناہ صلاحیتوں سے جلتا ہو۔ لہذا اس پورے عرصے میں عمران اور رانا کے تعلقات کبھی خوشگوار نہیں رہے تھے یہ الگ بات کہ عمران نے کبھی رانا کو کوئی زک پہنچانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

صفدر کے لیے عمران کو قتل کرنے کا حکم اتنا سنگین حکم تھا جس کی تعمیل کرنے کی وہ خود میں قطعی سکت نہیں پاتا تھا۔ وہ ایکس ٹو کے لیے بے پناہ احترام اور سیکرٹ سروس کے

محکمے کے لیے بے انتہا وابستگی کے باوجود اس حکم کو بجا لانے سے ہچکچا رہا تھا۔ درحقیقت صفدر نے عمران اور سیکرٹ سروس کو کبھی علیحدہ علیحدہ کر کے دیکھا نہیں تھا۔

جولیا کی حالت سب سے خراب تھی۔ ایکس۔ ٹو کا حکم سننے کے بعد وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی تھی اور صفدر بمشکل اسے چپ کرانے میں کامیاب ہو سکا تھا بلکہ یہاں تک کہ اسے گھر تک واپس پہنچانے کی ذمہ داری بھی صفدر کو اپنے سر لینی پڑی تھی۔

جولیا کے گھر پہنچ کر صفدر نے دروازے پر ہی رخصت چاہی تھی لیکن جولیا نے اسے رکنے پر مجبور کیا تھا۔ اور پھر اس نے خود کو سنبھالنے کی کافی کوشش کی تھی۔

صفدر کو چائے کی پیالی پلانے اور اپنا چہرہ دھو چکنے کے بعد اس نے نہایت دکھ سے صفدر کو مخاطب کیا تھا۔ "تو کیا واقعی وہ عمران کو ہلاک کر دیں"۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"یہ ایکس ٹو کا حکم ہے جولیا" صفدر نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "ایکس۔ ٹو سیکرٹ سروس کا سربراہ ہے اور ہم اس محکمے کے ملازم ہمیں ہر حال میں ایکس۔ ٹو کا یہ حکم ماننا ہے چاہے ہم اس کے لیے تیار ہوں یا نہ ہوں"

"اور اگر ہم ایکس۔ ٹو کا حکم ماننے سے انکار کر دیں تو۔۔۔"

دی جا سکتی تھی۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں صفدر صاحب کہ ایک زندہ آدمی اور ایک مردہ آدمی میں کتنا فرق ہوتا ہے!"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں جولیا!" صفدر نے سوچتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ میں ۔۔۔ ہم سب سیکرٹ سروس والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ عمران صاحب کو ان کی مرضی کے خلاف قابو کرنا کسی کے بھی بس میں نہیں ہے۔ اگر واقعی عمران صاحب سیکرٹ سروس کو چھوڑ کر ایک ایسی تنظیم کے ممبر ہو چکے ہیں جو قتل و غارت اور تباہی و بربادی کے کاموں میں مصروف ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں زندہ قابو میں کرنا اور زیادہ مشکل ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ۔۔۔"

"لیکن کیا ایکس۔ ٹو عمران کے وہ سارے احسانات بھول گیا ہے جو سال ہا سال تک اس نے سیکرٹ سروس پر کیے" جولیا کی آواز ایک بار پھر آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں جولیا" صفدر نے اداسی سے کہا۔ "اگر مجھے حکم جاری کرنے کا اختیار ہوتا تو میں کبھی یہ حکم نہ دیتا لیکن۔۔"

اس کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ جولیا کے ٹیلیفون کی گھنٹی اٹھی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" جولیا نے ریسیور کان سے لگا کر آہستگی سے کہا۔ "جولیا اسپیکنگ!"

جولیا یہ جملہ ادا کر کے ایک بار خود ہی ڈر گئی تھی کیونکہ اب تک کی زندگی میں اس نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"اگر ہم اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم سیکرٹ سروس کے وفادار نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ غیر وفادار آدمی کے لیے سیکرٹ سروس میں کوئی گنجائش نہیں"۔

"اگر ایسی بات ہے تو...." جولیا کے لہجے میں مضبوطی تھی "تو میں سیکرٹ سروس کو چھوڑ دوں گی"۔

"میں آپ کی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں جولیا لیکن...." صفدر نے جملہ ادھورہ چھوڑ دیا اور غور سے جولیا کی طرف دیکھا۔

"خود میری کیفیت بھی آپ سے مختلف نہیں ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتی ہیں عمران صاحب نے ایک عجیب و غریب خط لکھ کر سیکرٹ سروس کے پورے محکمے کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ وزیر داخلہ کو براہ راست قتل کرنے کی شہادت بھی ان کے خلاف موجود ہے۔ ایسی صورت میں ایکس۔ ٹو کے اس حکم کو غلط قرار دینا بھی میرے خیال میں کچھ زیادہ غلط نہ ہو گی!"

"لیکن یہ کیا ضروری تھا کہ عمران کو ضرور ہلاک کرنے کا حکم بھی جاری کیا جائے اسے زندہ پکڑنے کی ہدایت بھی تو

لیکن فوراً ہی وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

"تت.... تم کہاں سے بول رہے ہو...؟" وہ ہکلاہٹ کے ساتھ بول رہی تھی۔

"نن.... نہیں — تت تت تم مت آنا.... وہ تم کو ہلاک کر دیں وہ تم کو ہلاک کر دیں گے عمران خ.... خدا کے لیے تم ان کے سامنے مت آنا عمران.... نہیں میری قسم عمران خدا کے لیے ان کے سامنے مت آنا.... وہ تمہیں قتل...."

جولیا بیڈ پر گر گئی رسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ بلند آواز سے دردناک آواز میں رونے لگی۔

صفدر دکھی ہوئی نظروں سے جولیا کو دیکھ رہا تھا اور رسیور میز سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا جھول رہا تھا۔



"ہیلو ہیلو..." لٹکتے ہوئے ماؤتھ پیس میں سے آواز آرہی تھی۔ "ہیلو جولیا... ہیلو"..... صفدر نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو عمران صاحب! میں صفدر بول رہا ہوں..." صفدر کا لہجہ اداس تھا۔

"ہیلو صفدر پیارے! تم یہاں کہاں بھئی!" عمران کا لہجہ حسب معمول اسی طرح ہشاش بشاش تھا۔

"آپ کہاں ہیں عمران صاحب اور یہ سب کیا ہے.... صفدر نے جلدی سے کہا: "یہ سب کیا ہو رہا ہے!"

"جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب منظور خدا ہو رہا ہے پیارے! عمران کہہ رہا تھا۔ تمہیں تو پتہ ہے کہ اللہ کی مرضی کے خلاف تو ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا۔"

"تو پھر اللہ کی مرضی سے سیکرٹ سروس کے ہر کارکن کے نام ایکس۔ ٹو نے جو حکم جاری کیا ہے وہ بھی سن لیں" صفدر

اتنی سنگین صورت حال میں عمران کی شوخی سے تنگ آکر بولا:

"اچھا.... تو تمہارے اس چوہے ایکس۔ ٹو کے کاموں میں بھی اللہ کی مرضی شامل ہونے لگی۔ یہ معجزہ کب ... ہوا پیارے صفدر ذرا ہمیں بھی تو پتہ چلے"! عمران حسب معمول شوخ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"عمران صاحب.... "صفدر نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔ خدا کے لیے ان حالات میں تو سنجیدہ ہو جائیں۔ آپ کو پتہ نہیں ہے کہ ایکس۔ ٹو نے آپ کے لیے کیا حکم جاری کیا ہے۔ اس نے سیکرٹ سروس کے تمام کارکنوں کی میٹنگ بلا کر حکم دیا ہے کہ آپ جہاں کہیں بھی ان میں سے جس کو بھی نظر آئیں۔ آپ کو بلا دریغ گولی مار دی جائے"

"بہت خوب!" عمران چہکا: "تو تمہارا چوہا ایکس۔ ٹو اب میرے قتل کے احکامات جاری کرنے کے قابل ہو گیا ہے یعنی علی عمران ایم ایس سی پی ایچ ڈی آکسن کے قتل کے احکامات.... یہ تو بہت مزے کی خبر سنائی ہے تم نے پیارے صفدر! تو پھر کب مار رہے ہو مجھے گولی!"

"عمران صاحب.... عمران صاحب.... سمجھنے کی کوشش کریں" صفدر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ ایک طرف جولیا بستر پر پڑی ہوئی سسکیوں سے رو رہی تھی اور دوسری طرف عمران

لاپرواہی سے اپنی مخصوص ترنگ میں باتیں کر رہا تھا۔

"آخر بیٹھے بٹھائے آپ کو یہ کیا سوجھی عمران صاحب"! صفدر کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ عمران سے اور کیا بات کرے۔

"تم پر محاوروں کی مار پڑے صفدر!" عمران کہہ رہا تھا۔ "یہ تم سے کس نے کہا کہ مجھے بیٹھے بٹھائے سوجھی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ سوجھی کی بجائے میدہ بھی ہو سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر بقول تمہارے سوجھی ہی سہی تو یہ سوجی بیٹھے بٹھائے نہیں بلکہ لیٹے لیٹے لائے تھی۔

"عمران صاحب یہ آپ کیا الٹی سیدھی ہانک رہے ہیں!" صفدر کو ایک دم غصہ آگیا۔ آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے خلاف کس قدر سنگین الزام ہے۔ آپ کا خط سر سلطان کو مل چکا ہے اور وہ ہم سب لوگوں کو بلا کر سنا چکے ہیں یہاں تک کہ آپ کے ملازم سلیمان تک کو بھی۔ وہ بے چارہ آپ کا خط پڑھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا تھا۔ اس کے علاوہ وزیر داخلہ کے قتل کی ساری ذمہ داری بھی آپ پر ہی عاید ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں بھی آپ سنجیدگی سے کوئی بات کرنے کی بجائے اگر اسی طرح ہنسی ٹھٹھول میں سب کچھ کرتے رہے تو پھر آپ کا خدا ہی حافظ ہے۔"

"تمہارے منہ میں گھی شکر.... میرے پیارے صفدر۔ قسم خدا

کی ایسی دعائیں یا تو مائیں دیتی ہیں یا پھر سسرالی بزرگ۔ اب پتہ نہیں تم مجھ سے کیسا رشتہ پسند کرو گے۔ ویسے اگر حافظ خدا تمہارا والی دعا جولیا نے دی ہوتی تو بے شک وہ اوّل الذکر رشتے کی حق دار ہو سکتی تھی لیکن تم ظاہر ہے کہ جولیا نہیں ہو اس لیے....."

"عمران صاحب...." ایک دم صفدر جیسے جلال میں آگیا۔ "یہ کیا آپ اول فول بک رہے ہیں۔ ہم لوگ آپ کے لیے اتنے پریشان ہیں۔ آپ کے والد صاحب کو خط پڑھنے کے بعد دل کا دورہ پڑ گیا ہے۔ سر سلطان مسلسل اذیت ناک پریشانی میں مبتلا ہیں۔ جولیا۔ ایکس۔ ٹو کا حکم سننے کے بعد سیکرٹ سروس چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکی ہے اور آپ ہیں کہ...."

"اب بس بھی کرو یار!" عمران نے جھلا کر کہا: "اب جب کہ تمہارے چوب نے مجھے ہلاک کرنے کا حکم دے دیا ہے اور پتہ نہیں کہ آج کی رات قبر کے اندر ہے یا قبر سے باہر تو کچھ ہنس بول لینے سے مجھے کیوں روک رہے ہو۔ میاں دو دن کی زندگی میں بھی اگر یہ بندۂ کمینہ سنجیدہ ہو جائے تو پھر جینے کا کیا مزا۔"

"عمران صاحب —— میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ براہِ کرم مجھے صحیح حالات سے آگاہ کریں۔ میں کبھی خواب

میں بھی آپ کو ہلاک کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا سیکرٹ سروس میں چند اور کارکن ایسے ہیں جو ایکس ٹو کے اس حکم پر متذبذب ہیں لیکن ایسے کارکنان کی بھی کمی نہیں ہے جو انتہائی اخلاص کے ساتھ آپ کو صرف اس وجہ سے ہلاک کر دینے کے لیے تیار ہیں کہ انہیں ایکس ٹو نے اس کا حکم دیا ہے"

"صفدر......" صفدر نے پہلی بار عمران کی آواز میں گہرائی ٹھہراؤ اور درشتی محسوس کی۔ "اگر ایکس ٹو نے ایسا حکم جاری کیا ہے تو پھر اسے اپنے اس حکم کی قیمت بھی ادا کرنا ہوگی۔ میں نے اپنی مرضی سے یہ نیا راستہ اختیار کیا ہے اور میں اس بات کا اعتراف کرنے کے لیے بھی تیار ہوں کہ وزیر داخلہ کو میں نے قتل کیا ہے۔ لیکن میں تمہارے ذریعے ایکس ٹو کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھ پر ہاتھ ڈالنا اسے بہت مہنگا پڑے گا۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے سیکرٹ سروس کی مدد کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس لیے وہ مجھے ہلاک کرانا چاہتا ہے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میری حفاظت کے لیے تو میں خود ہی بہت ہوں دوسرے یہ کہ اس وقت میرے ارد گرد میری حفاظت کے لیے ایسی آہنی دیواریں ہیں جن کو توڑنا تمہارے

اس بچارے کے بس میں نہیں۔

دوسری بات یہ کہ اگر وہ وزیر داخلہ کے قتل کے جرم میں مجھے ہلاک کرانا چاہتا ہے تو تب وہ قانونی طور پر غلط ہے۔ ٹھیک ہے میں نے وزیر داخلہ کو قتل کیا ہے لیکن مجھے قانونی طور پر گرفتار کر کے قانونی سزا دی جانی چاہیے اور اگر ان دونوں باتوں کی عقل ایکس ٹو کو نہیں ہے تو پھر براہِ کرم تم اسے میرا چیلنج پہنچا دو کہ آج رات میں تنہا پورے شہر کا گشت کروں گا اور اگر اس میں یا اس کے کسی آدمی میں دم ہے تو مجھے ہلاک کر لے لیکن اسے بتا دینا کہ نتائج کی ذمہ داری مجھ پر نہیں بلکہ خود اس پر عائد ہوگی......"

ماؤتھ پیس سے آتی ہوئی عمران کی سرد آواز بند ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی ٹیلیفون کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا۔

صفدر سکتے کے عالم میں ٹیلی فون تھامے کھڑا تھا اور جولیا بستر پر بے سدھ پڑی تھی۔

"وہ خود ہی اپنی جان کا دشمن ہوگیا ہے" صفدر نے جیسے خواب میں کہا اور آہستگی سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

○

رات کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ عمارتوں اور کھمبوں پر لگے ہوتے نیون سائن جلنا بجھنا شروع ہو گئے تھے۔ بہت دور سے اس منظر کو دیکھنے والے کے لیے یہ سماں جنگل میں چمکتے ہوئے جگنوؤں کی طرح کا تھا۔ لیکن قریب پہنچنے پر یہ جگنو کمرشل اشتہاروں کی شکل میں تبدیل ہو جاتے تھے اور سوچنے والوں کو یہ دنیا اچانک ایک بہت بڑی دکان معلوم ہونے لگتی تھی۔ جس میں داخل ہو کر ہر آدمی بے اختیار اپنی جیب ٹٹولنے لگتا تھا۔ اگر جیب بھاری ہو تو آدمی جلدی سے دکان میں گھومتا پھرتا اور چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے لیکن اگر جیب ہلکی ہو تو دکان کے فرش پر اس آدمی کے پاؤں بھی آواز پیدا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہلکی جیب والا چیزوں کو دیکھنے کی بجائے چیزوں سے نظریں چرانے میں زیادہ منہمک ہوتا ہے۔ وہ چیزوں کو ایک دم چھونے کی بجائے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ چیزوں کی طرف بڑھاتا

ہے جیسے چھونے سے پہلے چیزوں سے ان کی رضا معلوم کر رہا ہو۔

لیکن جوزف کے لیے یہ سب باتیں بے معنی تھیں۔ بس وہ یہ جانتا تھا کہ رات ہو چکی ہے اور وہ وقت آ چکا ہے جب اسے اپنے قول کو سچا ثابت کرنے کے لیے عمل سے گزرنا ہے۔

عمران کا چیلنج صفدر نے ایکس۔ ٹو تک پہنچا دیا تھا صفدر اور جولیا نے ایسا کرنے سے پہلے آپس میں خوب بحث و مباحثہ کیا تھا۔ جولیا اس بات کے حق میں نہ تھی کہ ایکس۔ ٹو تک عمران کا یہ چیلنج پہنچایا جائے کیوں کہ اس میں عمران کی جان کو خطرہ ہے۔ اگر وہ سیکرٹ سروس کو چھوڑ چکا ہے اور ایک دہشت پرست تنظیم میں شامل ہو گیا ہے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اسے اس فعل سے باز رکھنے کا یہ کوئی معقول راستہ نہیں ہے کہ اسے ہلاک ہی کر دیا جائے۔

دراصل جولیا عمران کے ساتھ کچھ ایسی رفاقت محسوس کرنے لگی تھی کہ سیکرٹ سروس کا محکمہ اب درمیان میں کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ لہذا عمران کی زندگی جولیا کے لیے سیکرٹ سروس سے زیادہ اہم ہو گئی تھی البتہ صفدر کی رائے اس سے مختلف تھی۔

"عمران صاحب سے مجھے بہت محبت ہے جولیا!" صفدر نے طویل بحث کے بعد کہا تھا۔ "لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم ان کی محبت میں اپنے فرض سے غافل ہو جائیں۔ عمران صاحب ہمارے لیے کتنے ہی اہم سہی لیکن سیکرٹ سروس کا محکمہ اور اس سے زیادہ قانون کی حرمت و پاس داری ہمارے لیے زیادہ اہم ہے اس کے علاوہ ایک شخص کی محبت کو پورے وطن اور سارے عوام کی محبت پر بھلا کس طرح فوقیت دی جا سکتی ہے۔"

صفدر کے لیے اس کی یہ منطق اہم رہی ہو گی لیکن جولیا نے صفدر سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر صفدر ایکس ٹو تک عمران کا یہ چیلنج پہنچانے پر بضد ہے تو پھر جولیا کا استعفیٰ بھی پہنچا دے۔ صفدر نے نہایت سنجیدگی سے جولیا کا تحریری استعفیٰ جیب میں رکھا تھا اور دانش منزل کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

ایکس ٹو نے عمران کا چیلنج سننے کے بعد جوزف کو دانش منزل میں طلب کیا تھا اور جولیا کا استعفیٰ نامنظور کرتے ہوئے تا حکم ثانی اپنے فلیٹ میں موجود رہنے کی ہدایت کی تھی۔

جوزف کو دانش منزل میں محکمے کی سطح پر طلب نہیں کیا جا سکتا تھا کیوں کہ وہ سیکرٹ سروس کا ملازم نہیں تھا۔ لہٰذا

اس سلسلے میں سر سلطان نے براہ راست عمران کے فلیٹ پر جوزف کو فون کر کے اسے اس کا وہ قول یاد دلایا تھا جو اس نے عمران کو ہلاک کرنے کے سلسلے میں میٹنگ کے دوران کیا تھا۔

جوزف کی حالت خراب تھی۔ سر سلطان کا فون ملتے ہی اس نے فوراً حامی بھر لی کہ وہ دانش منزل آنے کے لیے تیار ہے۔ عمران کے خلاف اس حد تک جانے کی وجہ جوزف کے پاس ایک یہ تھی کہ عمران نے بدتمیزی کی تھی۔ اس نے اپنے دوستوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا تھا جو اس کے دوستوں کے دشمن تھے اور یہ بات جوزف کے نزدیک اتنی بڑی تھی کہ عمران کو ہلاک کرنے سے ہی اس کی تلافی ہو سکتی تھی۔

بہرحال جوزف اس وقت ایک دیوانے کی طرح شہر میں پھر رہا تھا۔ اس کی روح میں لاکھ وحشت سہی لیکن پھر بھی اس کے لیے عمران کو ہلاک کرنا اتنا سہل نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے آج اپنے معمول سے کہیں زیادہ چڑھا لی تھی۔ اس کی آنکھیں اتنی چڑھ گئی تھیں کہ جوزف کے لیے انہیں کھلی رکھنا ایک مشقت کے برابر ہو گیا تھا نشے کی آگ نے اس کے دماغ کو ایک شعلے کی طرح بھڑکا

رکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود جوزف کے لیے زمین سیدھی اور ہموار تھی کیوں کہ وہ جس قدر زیادہ نشہ کرتا جاتا اس کے اعصاب اسی قدر اس کی مرضی کے تابع ہوتے جاتے تھے۔

عمران کی موت کا فرشتہ بن کر جوزف شہر کے مختلف مقامات پر آندھی اور طوفان کی طرح پہنچتا اور عمران کو وہاں نہ پاکر آندھی اور طوفان ہی کی طرح وہاں سے نکل کر اس کی تلاش میں کسی اور طرف روانہ ہو جاتا۔ وہ ان سب کلبوں میں پہنچا تھا جہاں کبھی وہ عمران کے ساتھ گیا تھا۔ اپنی اپنی مشغولیت میں مشغول لوگ ایک حبشی کو طیش کے عالم میں کلب میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتے اور سہم کر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتے لیکن جوزف چھوڑے ہوئے راستے سے گزرنے کی بجائے ان لوگوں کے درمیان کسی کو تلاش کرنے کے لیے چڑھی آنکھوں سے ان لوگوں کو گھورتا اور جوزف کی اس وحشیانہ حرکت سے سارے ہال میں دہشت سی پھیل جاتی۔

عمران کے دکھائی نہ دینے پر جوزف بغیر کچھ کہے سنے واپس لوٹ جاتا اور لوگ دور تک اس حبشی کو جاتے ہوئے دیکھتے جو ننگا ریوالور ہاتھ میں تھامے سارے شہر میں دندناتا پھر رہا تھا۔ جوزف عمران کی تلاش میں ان تمام ریسٹورانوں تک گیا جہاں عمران کی موجودگی کا شبہ ہو سکتا تھا۔ ایک ریوالور بردار حبشی کو داخل ہوتے دیکھ کر اکثر لوگ اپنی میزیں چھوڑ کر خاموشی سے کھسکنے جاتے تھے۔ جوزف گہری آنکھوں سے باہری دروازے سے نکلنے والے ہر شخص کو گھورتا اور انکار میں گردن ہلا دیتا۔ ایک بہت ہی مہنگے ریسٹوران میں جوزف نے عمران کی تلاش میں ماچس جلا کر ہر میز کے نزدیک جا کر وہاں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لینا شروع کیا تو کاؤنٹر پر موجود کلرک نے اسے کوئی لیٹرا سمجھ کر ٹیلی فون پر پولیس کو اطلاع دے دی۔ لیکن اس سے پہلے کہ پولیس ریسٹورنٹ میں پہنچ کر جوزف سے مڈبھیڑ کرتی جوزف وہاں سے کہیں دور جا چکا تھا۔ لیکن جوزف عمران کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ ایک عام سا چائے خانہ تھا۔ جہاں رات ہوتے ہی یکے بعد دیگرے بیکاری سے تنگ آئے ہوئے نوجوان، فارغ البال بڈھے، سٹے کا نمبر بنانے والے مجنوں صفت کے پر اسرار لوگ، نوجوان اور چھوٹے موٹے داداگیر قسم کے لوگ جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے اور چائے خانے کا موٹی سی توند والا مارواڑی مالک ہز ماسٹرز وائس والے گراموفون پر پرانے پرانے گانوں سے بھرے ہوئے ریکارڈ بجانا شروع کرتا تھا اور جوں جوں رات بھیگتی جاتی گانے بتدریج پُر سوز اور ٹریجک

ہوتے چلے جاتے تھے۔ یہ کیفیت آدھی رات کے بعد ہوتی تھی جب مصروف چوراہے آہستہ آہستہ سنسان ہونا شروع ہو جاتا تھا اور ٹریفک کے نام پر ہونے والا قیامت کا شور تھم جاتا تھا۔

ایسے وقت میں مختلف ٹولیوں میں بیٹھے ہوئے بھانت بھانت کے لوگ بھانت بھانت کی باتیں کرتے ہوئے تھک چکے ہوتے تھے اور اس نیم خاموشی کی فضا میں وہاں پر موجود تقریباً ہر شخص گانے میں محو ہو جاتا تھا اور یوں بھی ہوتا تھا کہ کسی دل جلے نوجوان کی کربناک آہ سنائی دیتی اور لوگ چونک کر دیکھتے کہ کراہنے والے کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں اور ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مستقل خاموش بیٹھا ہوا بڈھا کسی گانے پر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا اور کوئی اس رونے والے کو تسلی دینے کے لیے آگے نہ بڑھتا۔ سب اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے سر جھکائے روتے والے کی آواز اور گانے والے کی آواز ایک ہی دردناک کیفیت میں سنتے۔

عمران کبھی کبھار اس چائے خانے میں پایا جاتا تھا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہاں اسے ان انوکھے کرداروں کی اندرونی جذباتی کیفیت کا کھلا مظاہرہ دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہ انوکھے کردار ہمیشہ سے اس کی دلچسپی کا باعث رہے تھے اور اس چائے

خانے میں ایسے کردار خود بخود کھنچے چلے آتے تھے۔

آدھی رات کے بعد جوزف جب چائے خانے کے دروازے پر پہنچا تو ہر کوئی گانے کی پُرسوز لے میں گم تھا۔ جوزف نے بمشکل کھلی ہوئی اپنی آنکھوں سے مختصر سے چائے خانے کا جائزہ لیا۔ موٹی توند والا مارواڑی چائے خانے کا مالک، اس کے ساتھ گنجے سر کا ایک بوڑھا جس کے چہرے پر موٹے موٹے شیشوں والی عینک تھی۔ اس کے سامنے ایک مسکین صورت بڈھا۔ اس سے اگلی بنچ پر نوعمر لڑکوں کی ایک ٹولی۔ اس کے بعد ایک مجنوں سا بہت سی مالائیں گلے میں ڈالے یہاں چوغے میں ملبوس ایک آدمی۔ اس کے بعد بڑی بڑی مونچھوں اور سرخ آنکھوں والے نوجوانوں کا گروہ۔ اس کے بعد....

جوزف کے بدن کی ایک ایک رگ جیسے منہ زور گھوڑے کی لگام کی طرح کھنچ گئی۔ عمران اس کے سامنے تھا نیلے رنگ کی جینز اور اس رنگ کی قمیض پہنے عمران اپنے سامنے پڑے چائے کے اس کپ کو گھور رہا تھا جس کی بھاپ براہِ راست اس کی ناک میں داخل ہو رہی تھی۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ کسی گہرے مراقبے میں ہو۔

جوزف کو چائے خانے کے دروازے پر سب سے پہلے

چائے تقسیم کرنے والے لڑکے نے دیکھا۔ وہ اس وقت انگیٹھی کے نزدیک کھڑا انتظار کر رہا تھا کہ سیٹھ اپنے سامنے پڑی ہوئی خالی پیالیاں بھرے تو وہ گاہکوں کے سامنے جاکر رکھے لڑکا جوزف کو دیکھ کر لمحہ بھر کو ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کی آنکھیں خوف سے بھر گئیں اور سرسراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

"سس۔۔۔۔بسس۔۔۔۔سیٹھ!"

پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے توندوالے سیٹھ نے چونک کر لڑکے کی طرف دیکھا اور پھر لڑکے کی خوف زدہ نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اس کی نظر جوزف پر ٹھہر گئی۔ سیٹھ نے بہت آہستگی سے کیتلی اور چھلنی اپنے سامنے پڑے لکڑی کے تختے پر رکھی اور اسی آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس نے گراموفون کو بند کر دیا۔ اس کی مضطرب نظریں اس دوران مسلسل جوزف پر ٹھہری ہوئی تھیں جو یکے بعد دیگرے چائے خانے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

گراموفون بند ہوتے ہی بہت سوں نے چونک کر پہلے چائے خانے کے سیٹھ اور پھر جوزف کی طرف دیکھا تھا لیکن عمران کی پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

جوزف کتنے ہی لمحے سامنے کی بنچ پر سر جھکا کر بیٹھے

عمران کو دیکھتا رہا۔ اس دوران میں اس کے چہرے پر کئی تاثرات آئے اور گئے۔ اس کی آنکھیں، اس دوران سکڑتی اور پھیلتی رہی تھیں۔ اس کے چہرے کی کھال میں بھی تھرتھراہٹ سی پیدا ہوئی تھی۔ لوگ خاموشی سے اسے اپنے درمیان بیٹھے ایک اجنبی آدمی کو گھورتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور اس کی لمحہ لمحہ بدلتی ہوئی کیفیت کا جائزہ بھی لے رہے تھے لیکن ان کے دل ایک اندیشے کی تیز ہوا سے زور زور سے دھڑک رہے تھے جوزف کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ عمران کی طرف تھا چائے خانے کا ہر آدمی اسے دیکھ چکا تھا۔ لیکن ایک اس نے ابھی تک نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"باس ۔۔۔۔۔۔"

جوزف کی آواز اس کے حلق سے ایسے برآمد ہوئی تھی جیسے کسی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کے منہ سے آواز نکلتی ہے۔ درحقیقت عمران کو قتل کرنا اس کے لیے ایسا ہی تھا جیسے کوئی اپنے ہوش و حواس کے ساتھ اپنے آپ کو قتل ہوتے ہوئے دیکھے۔ عمران کے ساتھ اس نے اتنی شدید محبت کی تھی کہ شاید وہ عمران کے مقابلے میں اپنے آپ کو بالکل بھول گیا تھا۔ اس کے لیے عمران کی موجودگی دراصل زندگی

کی علامت بن گئی تھی۔ عمران کے بغیر زندہ رہنے کا تصور اس کے پاس موجود نہیں تھا لیکن وہ قول دے چکا تھا اور افریقہ کے ایک جنگجو قبیلے کا یہ حبشی جوزف اب اپنی جان تو دے سکتا تھا لیکن اپنے قول سے نہیں پھر سکتا تھا اور اب جب کہ عمران اس کے سامنے موجود تھا اور اس نے کپکپاتے ہوئے ہاتھ سے ریوالور اس پر تان لیا تھا تو آخری بار اپنے باس کو مخاطب کرتے ہوئے اس کی آواز بُری طرح گلے میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

"باس....."

سامنے بنچ پر بیٹھے ہوئے عمران نے بہت آہستگی سے اپنا سر اٹھایا اور براہ راست جوزف کی آنکھوں میں دیکھا۔ عمران کی آنکھیں سرد اور سپاٹ تھیں۔ ان میں کسی قسم کی منت، خوف یا دہشت نہیں تھی بلکہ ایک ایسی گہرائی تھی جسے زیادہ دیر تک دیکھتے رہنے والا خود کو اس میں ڈوبتا ہوا محسوس کرتا تھا۔

"باس مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ....."

ایک دم جوزف نے جیسے ساتھ چھوڑتے ہوئے اعصاب کو یکجا کرتے ہوئے درشت آواز میں کہا۔

"تم نے جو چیلنج دیا تھا میں اس کا جواب دینے کے لیے

آ گیا ہوں....."

"میں نے تمہیں چیلنج نہیں کیا تھا جوزف۔ تمہیں تو میں نے صرف آزاد کیا تھا۔ چیلنج تو میں نے ...."

عمران کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ وہ اتنا ٹھہر ٹھہر کر پُرسکون آواز میں بول رہا تھا کہ سننے والوں کو حیرت ہو رہی تھی کوئی شخص اپنی موت کے فرشتے سے اس درجہ اطمینان کے ساتھ گفتگو نہیں کر سکتا۔

"میں یہ سب نہیں جانتا باس!" جوزف کی آواز میں چنگھاڑ تھی۔ "میں نے میڈم جولیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے سامنے عہد کیا تھا کہ تمہیں ہلاک کر دوں گا۔ میں آج شام سے ایک زخمی چیتے کی طرح تمہیں تلاش کرتا پھر رہا ہوں اور اب جب کہ تم میرے سامنے ہو۔ میں اپنا قول پورا کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے معاف کر دینا باس! مجھے پتہ ہے کہ مقدس باپ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے کیوں کہ مقدس باپوں نے کبھی خون بہانے کو پسند نہیں کیا لیکن مرد آدمی جب کوئی قول دیتا ہے تو پھر مقدس باپوں کی سزا کا خوف بھی اس کو اپنی زبان بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

"مقدس باپوں کے علاوہ ایک مقدس دیوی بھی تمہیں

کبھی معاف نہیں کرے گی جوزف!"

عمران نے اسی طرح سرد اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کس مقدس دیوی کی بات کر رہے ہو باس!" جوزف ایک دم اُلجھن میں پڑ گیا۔

"جولیا...." عمران نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا۔

"جولیا ایک مقدس دیوی ہے اور میرے قتل کے سلسلے میں وہ کبھی تمہیں معاف نہیں کرے گی کیوں کہ وہ ...."

"مم...... میں جانتا ہوں باس۔" جوزف نے گڑبڑا کر کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ میڈم جولیا تمہارے قتل کے خلاف ہے لیکن تمہارا خط سن کر میں نے میڈم جولیا کو بڑی طرح روتے ہوئے دیکھا ہے اور جب میں نے تمہارے قتل کا عہد کیا تھا تو اس کا تمہارے لیے آنسو بہاتا ہوا چہرہ... بھی میرے سامنے تھا۔ لہذا میں ہر صورت میں تمہیں ہلاک کر کے واپس لوٹوں گا۔ چاہے اس کے بعد مجھے خودکشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے جوزف!" عمران نے اس طرح کہا جیسے اسے کوئی ہدایت دے رہا ہو۔ "کیوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتے ہو۔ کیوں کہ تم خود کو میرا غلام تسلیم کر چکے ہو۔ کیوں کہ میرے مرنے کے بعد بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔"

"میں تم سے محبت کرتا ہوں باس!...." جوزف کی آواز کسی نازک دل بچے کی طرح بھرا گئی تھی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں تمہارا غلام ہوں باس...." اس کی نشے سے چُور ادھ کھلی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگے تھے۔ "یہ بھی درست ہے کہ تم زندہ نہیں ہو گے تو پھر میں بھی زندہ نہیں رہوں گا۔ لیکن اس کے باوجود میں تمہیں قتل کر دوں گا کیوں کہ میں نے ایسا کرنے کی قسم کھائی ہے۔ میں مجبور ہوں۔ میں مر سکتا ہوں لیکن اپنی قسم نہیں توڑ سکتا۔ مجھے معاف کر دینا باس!"

جوزف کی آواز رندھی ہوئی تھی اور وہ اس طرح اٹک اٹک کر کراہتی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔ جیسے المیہ فلموں میں المناکی کا شکار ہونے والا کردار محنت سے تیار کیے ہوئے مکالموں کو بھرپور المیہ کیفیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولتا ہے لیکن جوزف کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کسی فلم کے رٹے رٹائے مکالمے نہیں تھے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سچ تھا اور چائے خانے میں دم بخود بیٹھے ہوئے لوگ جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ ایک ننگی حقیقت تھی کیوں کہ گالوں پہ بہہ نکلنے ہوئے آنسوؤں کو پونچھے بغیر جوزف نے اپنا ریوالور والا ہاتھ سیدھا کیا تھا اور براہ راست عمران کا

نشانہ لے لیا تھا۔ پھر اس کی انگلی ٹرائیگر کو چھونے لگی تھی۔ اس نے اپنا خالی ہاتھ اٹھا کر ریوالور والے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ایک معمولی سے ریوالور کا ٹرائیگر دبانا اس کے لیے اتنا مشکل ہو گیا ہے جیسے تن تنہا منوں بوجھ اپنی جگہ سے کھسکانے کی ناپسندیدہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا ہو۔

لوگوں نے دیکھا کہ جوزف کی آنکھیں بھنچ گئی تھیں۔ اس نے مضبوطی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور پھر ٹرائیگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھتا گیا۔

گولیاں اپنی میکانکی رفتار سے ہدف کی طرف بڑھی تھیں اور اس کے فوراً بعد ہی چائے خانہ ایک دم شور و غل اور چیخوں سے بھر گیا تھا۔ یہ شور و غل اور چیخیں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی مختلف ٹولیوں میں سے بلند ہوئی تھیں۔ جس بات کے خوف نے ان کی زبانیں گنگ کر رکھی تھیں، وہ ہو چکی تھی اور اب وہ چیخ سکتے تھے اور اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر مضبوطی سے قدم جما کر کھڑے ہوئے جوزف کی طرف جھپٹ سکتے تھے جس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔

لیکن وہ اپنا کام کر چکا تھا۔ افریقہ کے اس طویل قامت حبشی نے جو بات اپنی زبان سے نکالی تھی اسے بالآخر پورا

کر دکھایا تھا۔

"میں نے باس کو ہلاک کر دیا....." اس نے اسی طرح بند آنکھوں کے ساتھ بڑبڑاہٹ کے ساتھ کہا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خواب میں بول رہا ہو۔ لیکن اس کی یہ خواب آلود بڑبڑاہٹ خود اس کے کانوں تک بھی نہیں پہنچ پائی ہو گی کیونکہ شور بہت بڑھ گیا تھا اور لوگ اب اس کے بہت نزدیک پہنچ چکے تھے۔

تونڈیلا مارواڑی ابھی تک گم سم اپنے چبوترے پر بیٹھا تھا۔



سلیمان نے ایک نیا ہی ناٹک رچا لیا تھا اور یہ ناٹک ایسا تھا جس نے سیکرٹ سروس کے بڑے بڑوں کو کچے دھاگے کی طرح عمران کے فلیٹ پر کھینچ لیا۔ سر سلطان، صفدر، دانا، سیکرٹ سروس کے بہت سے دیگر کارکن اس وقت سلیمان کے گرد پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے اور بھوں بھوں کر کے روتے ہوئے سلیمان کو مکمل بے بسی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

عمران کے فلیٹ پر سب سے پہلے پہنچنے والوں میں سر سلطان پہلے آدمی تھے کیوں کہ سلیمان کے ناٹک کی سب سے پہلے ان ہی کو خبر ہوئی تھی۔ انہوں نے عمران کے فلیٹ پر ٹیلی فون کر کے سلیمان کو ہدایت کرنا چاہی تھی کہ اگر عمران فلیٹ پر آئے یا اس کا کوئی ٹیلی فون ہو تو سر سلطان کو اطلاع کی جائے لیکن عمران کی آمد کی اطلاع سے پہلے سر سلطان کو سلیمان کی زبانی یہ اطلاع ملی تھی کہ اس نے "تادم مرگ بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے یعنی کہ سلیمان نے.....۔"

"یہ بھوک ہڑتال کس سلسلے میں کر دی بھئی تم نے!" سر سلطان نے پریشانی سے ٹیلی فون پر ہی پوچھا تھا۔

"زندگی کی امنگ ختم ہو گئی ہے حضور!" سلیمان نے اتنے المناک لہجے میں کہا تھا کہ جیسے کوئی نا امید آدمی بستر مرگ پر آخری جملے ادا کر رہا ہو۔"

"اوہو! بھئی یہ الگ مصیبت ہے؟" سر سلطان نے پریشان آواز میں بگڑ کر کہا تھا۔ میرا دماغ ویسے ہی ماؤف ہوا جا رہا ہے۔ اس عمران کے بچے نے مجھے جتنا رنج پہنچایا ہے میں اسی کو برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا اوپر سے تم لوگوں نے یہ الگ پرابلم کھڑی کر دی۔ ادھر وہ جولیا استعفی بھجوا کر تالہ بندی میں بیٹھ گئی ہے ادھر تم نے بھوک ہڑتال کا مسئلہ..... اچھا یہ بتاؤ کہیں کھانے کا سامان تو ختم نہیں ہو گیا۔"

"جی نہیں حضور! کھانے کا سامان تو بھرا پڑا ہے۔ آٹھ دس طرح کی ہانڈیاں پڑی ہیں فریج میں اس وقت اور باقی بھی اللہ کا فضل ہے لیکن اب نمک کو منہ لگانے پہ جی نہیں مانتا!"

"خدایا! کیا جہالت ہے!" سر سلطان واقعی بگڑ گئے تھے" اچھا ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے بلیک زیرو کو ٹیلی فون کر کے صفدر اور دیگر لوگوں کو عمران کے فلیٹ پہنچنے کی ہدایت کا حکم دیا تھا اور یہ لوگ ان کے چند ہی منٹ بعد ایک وہاں پہنچ گئے تھے اور اب سلیمان ان کے سامنے زار و قطار بھوں بھوں کر کے رو رہا تھا۔

"ارے میاں! تمہیں عمران کا دکھ مجھ سے زیادہ تو نہیں ہوگا تم تو اس کے ملازم ہو لیکن میرے اس کے تعلقات تو باپ بیٹے جیسے تھے اور سچ پوچھو تو وہ رحمان صاحب سے زیادہ مجھ ہی سے اُنس محسوس کرتا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ رحمان صاحب اس کے طرز زندگی سے جتنے زیادہ بیزار تھے میں اسی قدر عمران کی صلاحیتوں پر اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ بے شک وہ انتہائی ذہین، انتہائی حوصلہ مند اور نازک ترین موقعوں پر اعلیٰ ترین حکمت عملی کا مظاہرہ کرنے والا نوجوان تھا لیکن...." سر سلطان کی آواز میں نمی آگئی تھی۔

"لیکن یہ ایک اصولی بات ہے اور میں کسی بھی قیمت پر اصولوں کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ نہیں بالکل نہیں۔" انہوں نے زور زور سے انکار میں سر کو حرکت دی اور پھر جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

صفدر نے اٹھ کر سر سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی

دینے کے لیے بے اختیار اپنی جگہ چھوڑی تھی لیکن ایسا کرنے سے پہلے ہی واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھا تھا۔ سر سلطان جیسے آدمی کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کے لیے فقط اتنی تسلی کافی نہیں تھی۔ صفدر سر سلطان کو جانتا تھا اور ان کے احترام نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا تھا۔

"مجھے ان سے عشق تھا جی!" سلیمان نے اب رونا بند کر دیا تھا اور ٹوٹی ہوئی آواز میں آہستہ آہستہ بولنا شروع کر دیا تھا۔ "مجھے ان سے ایسا عشق تھا جی حضور جیسے...." سلیمان مثال تلاش کرنے کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اس دوران میں اس کی حیثیت اور علم کے مطابق کئی مثالیں اس کے دماغ میں آئی ہوں گی، کیوں کہ مثال کی تلاش میں خاموش ہو کر وہ سر کو حرکت دینے لگا تھا اور بار بار منہ سے ہنہ ہنہ کی آواز نکال رہا تھا پھر اس نے سر اٹھایا۔

"بس جی یوں کہ مجھے ان سے ایسا عشق تھا جیسا کسی کو ہو سکتا ہے۔ وہ مجھے ڈانٹتے پھٹکارتے تھے۔ بددعائیں دیتے تھے، طعنے دیتے تھے۔ لیکن میں ان کے دل کو جانتا تھا جی" سلیمان کی بھیگی ہوئی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ان کا دل نہیں تھا جی! ہیرا تھا ہیرا" میں اس گھر کا ملازم تھا لیکن انہوں نے مجھے یہاں کا مالک بنا دیا تھا میں

ان کا نمک خوار ہوں جی۔ میرے خون میں اب جتنا نمک ہے وہ انہیں کا ہے جی۔ میں ان کو چھوڑ کر جاؤں تو اپنا مردہ دیکھوں۔ میں نمک حرام نہیں ہوں جی۔"

"مردہ تو تم اب بھی اپنا دیکھ لو گے سلیمان!" رانا نے ذرا تمسخر سے کہا تھا۔ "اگر تم نے بھوک ہڑتال جاری رکھی تو انشاءاللہ جلد ہی نمک حرامی نہ کرنے کے باوجود تم اپنا مردہ دیکھ لوگے!"

"میرے جی میں کوئی میل تو نہ ہو گا نا جی!" سلیمان نے ناپسندیدہ نظروں سے رانا کی طرف دیکھا تھا۔ "میرے جی میں کھوٹ نہ ہو گا تو میرے ضمیر پر بھی کوئی بوجھ نہ ہو گا۔ پھر چاہے میں جیوں چاہے مر جاؤں۔ میرے لیے ایک سی بات ہے جی!"

"ارے میاں! یہ سب جذباتی باتیں ہیں۔ عقل کے ناخن لو اور ہوش سے سوچو کہ اس نالائق نے کیا حرکت کی ہے۔ سیکرٹ سروس کے ساتھ دھوکہ، قوم سے غداری اور وطن کے خلاف دہشت پسندانہ حرکتیں ایسی حرکتیں کرنے والے کو تو خدا بھی پناہ نہیں دیتا تم کس چکر میں پڑ گئے ہو!"

"آپ دماغ والے لوگ ہیں جی!" سلیمان نے ادب سے سر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ نے اپنے دماغ سے جو کام لینا تھا وہ لے لیا۔ آپ نے عمران صاحب کو قتل کرانے کے لیے اس کالے بھوت کو بھیج دیا جس نے

برسہا برس ان کا نمک کھایا۔ اس نمک حرام نے وہی جاہل جبشیوں والی حرکت کی اور پوری چار بوتلیں چڑھا کر بھرا ہوا پستول تھام کر نکل گیا۔ آپ دماغ والے ہیں جی! آپ نے جو کیا ٹھیک کیا ہو گا لیکن میرے پاس آپ جیسا دماغ نہیں ہے۔ میں عمران صاحب جیسے ہیرے آدمی کو موت کے حوالے کرنے کا ووٹ نہیں دے سکتا جی۔ میں ایک سیدھا سادا دیہاتی آدمی ہوں۔ عمر شہر میں گزری تو کیا گدی میں عقل تو وہی ہے نا بھیڑیں چرانے والے کی۔ بس میں وہ نہیں کر سکتا۔ جیسے کرنے میں آپ کو کوئی عار نہیں۔ لیکن آپ یاد رکھیں حضور! اب عمران صاحب نہیں ہوں گے تو پھر آپ کا محکمہ بھی نہ ہو گا آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے محکمے کی ساری عزت ساکھ ان ہی کے دم سے تھی اب آپ خود دیکھ لینا جی کہ۔"

سلیمان نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر کے رونا شروع کر دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ آخر اس کا کیا کیا جائے۔ سلیمان کی آواز بتدریج بلند ہوتی چلی گئی۔

"سلیمان.... سلیمان —— میاں ہوش کی دوا کرو۔" سر سلطان نے نے آہستگی سے کہا وہ سلیمان کی محبت کو اب خاصی حد تک محسوس کرنے لگے تھے۔ اچانک سلیمان کی آواز بند ہو گئی اور اس کا سر ایک دم دائیں جانب کو ڈھلک گیا۔

"سلیمان...." صفدر نے ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ اس کا ڈھلکا ہوا سر دیکھ کر سبھی چونک اٹھے تھے۔

صفدر نے سلیمان کو چھوا تو وہ بے جان پتھر کی طرح زمین پر لڑھک گیا۔

"بے ہوش ہو گیا ہے۔" صفدر نے اداسی سے اس کا بازو تھامے ہوئے کہا۔

"کیا حماقت ہے؟" سر سلطان نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "جذباتیت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔" پھر انہوں نے صفدر کی طرف دیکھا۔

"اسے ہوسپٹل لے جاؤ اور سپیشل وارڈ میں سپیشل پیشنٹ کی حیثیت سے داخل کروا دو۔ وہ خود ہی اس کا بندوبست کر لیں گے۔" پھر وہ پریشانی اور تھکن کے ساتھ زور زور سے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے باہر کی طرف چل رہے تھے۔



جولیا پر ایک اور ہی طرح کی دیوانگی طاری تھی۔ اسے خبر ہو چکی تھی کہ جوزف نشے میں چور ریوالور لے کر شہر کے کونے کونے میں عمران کو تلاش کر رہا ہے۔ وہ میٹنگ ہال میں جوزف کی زبانی عمران کو ہلاک کرنے کی بات بھی سن چکی تھی اور عمران کی معرفت جوزف کے بارے میں خاصی حد تک جانتی تھی۔

بار بار اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ایکس ٹو کو ٹیلی فون کرے، لیکن صفدر کے ہاتھ جولیا کا استعفیٰ وصول کرنے کے بعد ایکس ٹو نے جس کرخت لہجے میں جولیا کو آئندہ ہدایت تک اپنے گھر پر موجود رہنے کی ہدایت کی تھی اس نے جولیا کے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے تھے۔

کسی بھی ٹیلی فون نمبر پر جولیا کو کوئی تسلی بخش جواب نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر اس سے نہیں رہا گیا۔ اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ایکس ٹو کا مخصوص نمبر ڈائل کیا اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دوسری طرف بجنے والی گھنٹی کی آواز کو

سنتی رہی پہلی مرتبہ گھنٹی کی آواز رکتے ہوئے اس کے کان میں وہی بھرائی آواز آئی جو ایکس ٹو سے منسوب تھی۔

"یس! ایکس ٹو سپیکنگ!"

"میں جولیا بول رہی ہوں جناب!" جولیا کی آواز میں جھجک تھی۔

"ہاں جولیا! بولو کیا تم نے اپنے جذباتی فیصلے پر نظر ثانی کر لی ہے" بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا گیا۔

"نن.... نہیں سر!" جولیا کی زبان اٹکی "میں ابھی تک اپنے فیصلے پر قائم ہوں دراصل!...."

"جولیا!" ایکس ٹو کی آواز سرد ہو گئی تھی۔ "اگر یہ بات نہیں تو پھر تم کیا کہنا چاہتی ہو!"

"جوزف کیا واقعی عمران کو ہلاک کر دے گا جناب؟" جولیا بے دھیانی میں کہہ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کا گلا خشک ہو گیا تھا وہ ایکس ٹو کے مزاج سے آشنا تھی۔

"اگر جوزف عمران کو تلاش کر سکا تو وہ یقیناً اسے ہلاک کر دے گا! کیا تم اس کے علاوہ کوئی اور سوال بھی پوچھنا چاہتی ہو جولیا!"

ایکس ٹو کی آواز میں کپکپا دینے والی اجنبیت تھی۔ جولیا کو اپنا پورا وجود منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

"مم.... میرا مطلب ہے جناب کہ...." جولیا کی آواز روندھ گئی تھی۔

"گفتگو کے دوران مطلب ہمیشہ واضح ہونا چاہیے جولیا۔ وضاحتوں کے ذریعے مطلب بنانے کو میں نے کبھی پسند نہیں کیا، کیا تم یہ بات بھول رہی ہو!"

"نہیں جناب!" جولیا نے دل کو مضبوط کرنے کے لیے رسیور کو سختی سے تھام لیا اور دوسرے ہاتھ سے میز پر دباؤ ڈال لیا۔

"اس کی موت سے آخر سیکرٹ سروس کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جناب!" ایکس ٹو سے اس طرح کا جملہ کہنا سیکرٹ سروس کے کارکنان کے لیے گستاخی کے مترادف تھا لیکن جولیا اپنی جان پر کھیل گئی تھی۔

"سیکرٹ سروس کا محکمہ کوئی پرچون کی دکان نہیں ہے لڑکی!" ایکس ٹو نے تحکمانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جہاں بیٹھ کر فائدے اور نقصان کا حساب کتاب کیا جائے ایک ایسا ادارہ ہے جو اپنے ملک اور اپنی قوم کی خیر خواہی کے لیے ہر قیمت اور ہر قربانی دینے کے لیے مستعد اور تیار رہتا ہے۔ اس قیمت اور اس قربانی کی کوئی بھی شکل ہو سکتی ہے۔ وقت۔ صلاحیت۔ محنت۔ پامردی اور جان نثاری اس محکمے کا کوئی نجی مفاد نہیں۔ ہر قومی اور وطنی مفاد اس کا

مفاد ہے چاہے اس مفاد کے حصول میں اس محکمے کو کتنی ہی تکلیفوں ، اذیتوں حتیٰ کہ اذیت ناک ہلاکتوں ہی کیوں نہ گذرنا پڑے ۔ اگر تمہارا حافظہ درست ہے تو تمہارے ذہن میں ماضی قریب کی کتنی ہی ایسی مہمیں آئیں گی جن کو سر کرنے میں ہمارے بہترین کارکنوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے ....“

”مم.... میں سمجھتی ہوں جناب لیکن....“ جولیا نے ایکس ٹو کی خاموشی کا فائدہ اٹھا کر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی ۔ ویسے اس کا اُبال بتدریج ختم ہو رہا تھا ۔

”میں تمہاری پریشانی سے آگاہ ہوں جولیا“ ایکس ٹو نے اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی دوبارہ کہنا شروع کیا تھا ۔

”جوزن اگر عمران کو ہلاک کر دیتا ہے تو سیکرٹ سروس محکمہ ایک ایسے آدمی کی اعلیٰ صلاحیتوں اور بہترین ذہانت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائے گا جس کی موجودگی ہمیشہ اس محکمے کے وقار کا سبب بنی رہی ۔ تم عمران سے اتنی شاید واقف نہیں ہو جتنا میں اسے جانتا ہوں ....

”میں ایک ایسے ادارے کا سربراہ ہوں جس کے آدمیوں کی نظریں گرد و پیش کے ایک ایک ذرے کو چھانتی پھٹکتی ہوئی گذرتی ہیں ۔ لہذا ایسے ادارے کی سربراہی کے لیے کس قدر ذہانت اور بصیرت کی ضرورت ہو گی اس کا اندازہ تمہیں پنے ایکس ٹو کے معاملات سے بخوبی ہو جانا چاہیے لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ سیکرٹ سروس کے ایکس ٹو کا حترام قائم کرنے میں عمران کا بہت بڑا کردار ہے ۔ کئی ایسے کیس جن میں مجھے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا انہیں عمران نے بڑی مدد کر کے حل کیا تھا ۔ چنانچہ میں جانتا ہوں کہ عمران کی ہلاکت سیکرٹ سروس کے لیے کس قدر نقصان دہ ہے اور خود مجھے عمران کی کمی کس قدر محسوس ہو گی یہ میں ہی جانتا ہوں لیکن لیکن زندگی کا ایک بنیادی اصول ہے جولیا“

ایکس ٹو کی آواز میں ایک بار پھر کرختگی آتی جا رہی تھی ۔ لیا کے لیے زندگی بھر میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایکس ٹو اتنی تفصیل کے ساتھ اس سے گفتگو کر رہا تھا ۔ وہ ریسیور کان سے لگائے اس کے الفاظ کو بہت غور سے سنتی جا رہی تھی ۔

”عمران کی ہلاکت سے ہم سب ایک بہترین مددگار، دوست سے محروم ہو جائیں گے ....“ ایکس ٹو کہہ رہا تھا ۔

”لیکن عمران کی ہلاکت درحقیقت اس ملک اور اس قوم کے ایک دشمن کی ہلاکت بھی تو ہے ۔ عمران اگر زندہ رہتا ہے تو سیکرٹ سروس کا محکمہ اپنے ایک دوست کو بچا رہا ہے لیکن اگر عمران کو ہلاک کر دیا جاتا ہے تو یہ قوم اور ملک ...

ایک دشمن سے پاک ہو جاتا ہے۔ کیا تم میری بات سمجھ چکی ہو جولیا؟"

"جی ہاں جناب!" جولیا کی آواز میں نیم دلی تھی۔ "آپ نے جو بات مجھے سمجھانے کی کوشش کی ہے میں اسے سمجھ چکی ہوں۔"

"اگر اس وقت تمہارے الفاظ اور خیال میں کوئی فاصلہ نہیں تو مجھے خوشی ہے بہرحال تم ایک عورت ہو اور فطری طور پر جذباتیت کا عنصر تم میں زیادہ ہے۔ میں اس بات سے باخبر ہوں۔ خدا حافظ!"

ایکس ٹو نے ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ جولیا کتنی ہی دیر تک ریسیور ہاتھ میں تھامے گم سم اپنی جگہ پر بیٹھی رہی پھر جیسے پھر اس پر وحشت سوار ہو گئی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور وارڈ روب کی طرف لپکی۔ منٹوں کے اندر اندر اس نے لباس تبدیل کیا اور آئینے میں اپنے حلیے کا جائزہ لیا پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اب اس کا رخ ان تمام مقامات کی طرف تھا جہاں جہاں عمران کی موجودگی کا اسے شبہ ہو سکتا تھا۔ چوراہے، کتابوں کی دکانیں، کلب، ریستوران، خاص طرح کے فٹ پاتھ جو ناجائز تجاوزات کے باعث پیدل چلنے والوں کے لیے باقی نہیں رہے تھے۔

جولیا عمران کی لاابالی طبیعت سے واقف تھی وہ ان میں سے کہیں بھی موجود ہو سکتا تھا۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ بازار سنسان ہو رہے تھے۔ اور کلب خاموشی میں ڈوب رہے تھے۔ اکثر ریستوران بند ہو رہے تھے لیکن جولیا ایک دیوانگی اور وحشت میں گھوم رہی تھی۔ اس نے کئی جگہ ٹیکسی بدلی تھی۔ کتنی ہی بار اس نے لمبا لمبا فاصلہ پیدل طے کیا تھا لیکن شہر کے کسی حصے میں اسے عمران کی شکل دکھائی نہیں دی تھی۔

وہ تھکن سے چور ہو چکی تھی اور اس وقت ہر فٹ پاتھ اور سڑک سنسان تھے اور دور دور چوکیداروں کی آوازوں کی گونج سنائی دیتی تھی لیکن جولیا شاید اس سارے عالم سے بے خبر تھی۔ وہ عمران کو زندہ دیکھنا چاہتی تھی اسے زندہ رہنے پر آمادہ کرنا چاہتی تھی اسے کہیں بھاگ جانے پر مجبور کرنا چاہتی تھی تاکہ وہ زندہ رہ سکے۔ لیکن یہ سب سی وقت ممکن تھا جب عمران سے اس کا سامنا ہو جاتا۔

اچانک وہ چلتے چلتے منہ کے بل زمین پر گری۔ اس کا پاؤں شاید کیلے کے چھلکے پر سے پھسل گیا تھا یا شاید اس کی آنکھیں اس حد تک راستے سے غافل ہو چکی تھیں جیسے نیند میں چلنے والوں کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

زمین پر گرتے ہی جولیا کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی۔ اس نے اپنے وجود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور گھٹنوں اور ہاتھوں پر زور دے کر اوپر کو اٹھی۔ پھر بے اختیار جیسے ضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ یونہی زمین پر اوندھی پڑی بری طرح سسکیاں لینے لگی۔

راستے سنسان تھے اور پہرے دار بہت دور، جولیا کی سسکیاں سننے والا کوئی نہیں تھا۔

"عمران...." ہچکیاں لیتے ہوئے جولیا زمین پر گری ہوئی کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لیے زندہ رہو عمران۔۔۔ خدا کے لیے زندہ رہو ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے...." اس کے بعد وہ پھر سسکیاں لینے لگی تھی لیکن ایک دم وہ ہڑبڑا کر اٹھی اس کے کانوں میں ایک مخصوص آواز آئی تھی۔

"جولیا.... یہ تم ہو.... یہاں کیا کر رہی بیٹھی...."

جولیا کو یہ آواز اپنے بالکل نزدیک سنائی دی تھی۔ وہ دیوانہ وار اٹھی اور سر اٹھا کر دیکھا اسے مخاطب کرنے والا اس کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔

"او خدایا! یہ تم ہو۔۔۔" خوشی کی شدت سے جولیا کی آواز ایک دم چیخ میں بدل گئی تھی۔ اس نے اپنے مخاطب کو غور سے دیکھا اس کی آنکھیں پوری طرح پھیل گئی تھیں اور اس کا بدن کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈول گیا تھا۔

اس کے مخاطب نے لپک کر اسے تھام لیا تھا۔



"میں نے باس کو ہلاک کر دیا۔۔۔ باس میں نے تمہیں ہلاک کر دیا۔۔۔۔"

جوزف آنکھیں بند کیے جیسے خواب میں بول رہا تھا۔ پھر لوگوں کے اچانک اور بے تحاشہ شور نے جیسے اسے چونکا دیا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور تیزی سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا۔ اگلے کسی بھی لمحے میں وہ اس پر پل پڑنے والے تھے۔

"خبردار!۔۔۔" جوزف کسی چیتے کی سی پھرتی سے پیچھے کی طرف ہٹا: "اگر تم میں سے کسی نے میرے قریب آنے کی کوشش کی تو وہ اپنے بدن میں ہونے والے سوراخ کا خود ذمہ دار ہوگا۔"

غصے میں بپھرا ہونے کے باوجود اس کی آواز میں کوئی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی۔ اس کی طرف بڑھنے والے مجمع کو جیسے کسی نے ایک دم جادوئی عمل سے آگے بڑھنے سے روک

دیا تھا۔ یہ جادوئی عمل جوزف کا ریوالور تھا جس کی سیاہ چمکدار نال میں سے ابھی تک دھوئیں کی آخری لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ یہ ریوالور اب ان لوگوں پر تنا ہوا تھا جو جوزف کو پکڑنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔ البتہ چائے خانے کا مالک اس سارے معاملے میں ایک واحد غیر جانب دار آدمی تھا جو خوف زدہ آنکھوں سے شروع سے اب تک یہ منظر اپنی جگہ پر بیٹھا مسلسل دیکھ رہا تھا۔

لوگ زمین سے جکڑے ہوئے ساکت کھڑے تھے اور جوزف چندھیائی ہوئی نظروں سے انہیں گھور رہا تھا۔

"تم نہیں جانتے یہ کون آدمی تھا۔ جسے میں نے ابھی موت کی نیند سلا دیا ہے۔" جوزف نے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے کھڑے لوگوں کی دیوار کو چیر کر ان کے پیچھے دیکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا:

"یہ میرا باس تھا۔۔۔" جوزف کہہ رہا تھا: "میرا ماسٹر! جس کی حیثیت میرے لیے ایسی تھی جیسے ایک کتے کے لیے اس کے مالک کی حیثیت ہوتی تھی۔ ہاں! میں اس سے اتنی ہی محبت کرتا تھا۔ جتنی ایک کتا اپنے مالک سے کرتا ہے۔ میں اس کے کہنے پر جلا کر بھسم کر دینے والی آگ یا کسی وحشی درندے کی طرح

خطرناک پانی میں آنکھیں بند کر کے کود سکتا تھا۔ میں اس کے پاؤں چاٹ سکتا تھا اور تھپڑ کھا سکتا تھا۔ میں ۔۔ جیسے مقدس دیوتاؤں نے ایک جنگجو باپ کے وحشی نطفے سے پیدا کیا تھا اور لمبے نوکیلے پنجوں سے جسم کو ریشہ ریشہ کر دینے والے خوفناک درندوں سے بھرے ہوئے تاریک جنگل میں اپنی زندگی کی حفاظت کے لیے سامنے آنے والی ہر دشمن چیز پر حملہ آور ہونے کی وحشیانہ فطرت سے جی بھر کر نوازا تھا۔ وہی میں ۔۔۔ اس آدمی کی ذلیل کر دینے والی باتوں کو ایک غلام کی طرح سر جھکا کر سنتا تھا۔ ہاں! میں اس آدمی کا غلام تھا۔ اس آدمی نے اپنی قوت اور طاقت سے مجھے اپنا غلام کیا تھا۔ لیکن۔۔۔۔"

جوزف شدید جذباتی ردعمل کا شکار ہو چکا تھا۔ عمران پر گولیاں برسانے کے فوراً ہی بعد اس کے سر سے اپنا قول پورا کرنے کا بھوت شاید اتر گیا تھا اور اسے ایک عظیم نقصان کے اذیت ناک احساس نے پوری طرح جکڑ لیا تھا۔

"لیکن آج میں نے۔۔۔۔ ایک غلام نے۔۔۔۔ اس نے اپنے مالک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تاریک جنگلوں میں جانے میری ماں نے کس منحوس لمحے میں مجھے جنا تھا کہ میں نے یہ قابل نفرت کام سرانجام دے دیا۔"

جوزف کی آواز میں اب لڑکھڑاہٹ ظاہر ہونے لگی تھی۔

"لیکن اگر میں نے اپنی قسم پوری کرنے کے لیے جواں مردی دکھائی ہے۔ تو تم لوگ گواہ رہنا کہ میں نے ایک غلام کی حیثیت سے بھی اپنا فرض پورا کرنے میں کسی نامردی سے کام نہیں لیا۔ میں نے تم لوگوں کے سامنے ہی باس کو ہلاک کیا ہے اور تمہارے سامنے ہی باس کو ہلاک کرنے کے جرم میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا۔"

جوزف نے ریوالور کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی نال اپنے سینے پر عین دل کی جگہ پر نصب کر دی اور ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنا شروع کر چکی تھی اور اس کے سامنے سکتے میں آئے ہوئے لوگ اتنے بے سدھ کھڑے تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا تھا۔ اچانک ان ہی میں سے کوئی چیخ کر پکارا:

"ٹھہرو! وہ یہاں نہیں ہے۔ تمہارا باس یہاں نہیں ہے!"

ریوالور کی نال اسی طرح جوزف کے سینے پر ٹکی رہی لیکن اس نے آنکھیں کھول دیں اور سامنے کی طرف دیکھا۔

لوگوں نے اس کی نظروں کو راستہ دینے کے لیے اپنی اپنی جگہ چھوڑ دی اور جوزف نے آنکھیں کھول کر سامنے اس مقام کی طرف دیکھا جہاں ابھی کچھ دیر پہلے عمران بیٹھا تھا

اور جوزف نے اس کا نشانہ لے کر لگا تار گولیاں چلائی تھیں۔

عمران واقعی موجود نہیں تھا۔ جوزف نے زور سے سر کو جھٹکا دیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دیوار کے ساتھ لگے اس بنچ کی طرف بڑھا۔ بنچ کے نزدیک پہنچ کر اس نے غور سے اس مقام کو دیکھا جہاں یقینی طور پر چند ہی منٹ پہلے عمران موجود تھا لیکن اب وہ وہاں نہیں تھا البتہ دیوار پر گولیوں کے نشانات واضح تھے۔ جوزف نے ایک ایک نشان کو انگلی سے چھو کر اپنا یقین کرنے کی کوشش کی۔

ایک.... دو.... تین.... چار — دیوار پر چار گولیوں کے نشان تھے اور اس نے بھی عمران پر چار ہی فائر کیے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ باس زندہ ہے...." جوزف نے بڑبڑاہٹ کے ساتھ کہا: "لیکن وہ آدمی کون تھا جسے میں نے ابھی...."

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور تیزی سے حیرت زدہ لوگوں کی طرف پلٹا۔

"مقدس دیوتا! اس پر مہربان ہیں!" اس نے بلند آواز میں کہا اور تیزی سے چائے خانے سے باہر نکل گیا۔



بات گئے ایک سنسان سڑک کے فٹ پاتھ پر بے ہوش ہو کر گرتی ہوئی جولیا کو سنبھالنے والا عمران ہی تھا جو چائے خانے میں جوزف کے ہاتھوں سے جان بچا کر بھاگ نکلا تھا۔ چائے خانہ اس مقام سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔

جوزف نے جس وقت عمران پر فائر کرنے کے لیے ریوالور تانا تھا اور اپنی آنکھیں بند کر کے وحشیانہ انداز میں لگا تار ٹریگر کو دباتا چلا گیا تھا تو وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی ایک کی نظر بھی عمران پر نہیں تھی بلکہ وہ سب ایک طویل قد کے سیاہ رنگ ریوالور بردار چوڑنے پچکلے آدمی کو دیکھ کر اتنے حیران اور پریشان ہو گئے تھے کہ ان کی نظریں مستقل جوزف کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھیں۔

چنانچہ جس وقت جوزف نے عمران پر گولیاں برسائیں اور عمران نے مخصوص مہارت کے باعث اپنی جگہ پر سے

معمولی حرکت کرتے ہوئے خود کو ان گولیوں کی زد میں آنے سے بچایا تو اس کی اس فن کارانہ مہارت کی داد دینے کے لیے کوئی آنکھ متوجہ نہیں تھی۔

چار گولیاں چلانے کے بعد جب لمحہ بھر کے لیے جوزف کا ریوالور خاموش ہوا اور لوگ اپنی جگہ سے اٹھ کر جوزف کی طرف بڑھے تو ان کے ساتھ ہی عمران بھی اُٹھا تھا۔ اور جب لوگوں کے قدم جوزف کی آواز سُنتے ہی زمین کے ساتھ جکڑے گئے تھے تو عمران اسی وقت تک ہوٹل سے باہر جا چکا تھا۔ چائے خانے میں موجود ہر شخص اس قدر شدید بوکھلاہٹ کا شکار تھا کہ عمران کے فرار کی کسی ایک کو بھی خبر نہ ہو پائی تھی۔ چائے خانے سے نکل کر وہ بغیر آہٹ کے انتہائی تیزی سے سنسان سڑک کی طرف بڑھا اور پھر اچانک اور اتفاقاً ہی اسے سڑک پر جولیا گری ہوئی اس کی زندگی کے لیے سسکیاں لیتی ہوئی ملی تھی اور پھر اسے دیکھ کر مارے خوشی کے بے ہوش ہو گئی تھی۔

بہرحال عمران نے تقریباً پانچ منٹ کے بعد آنے والی ایک پرائیوٹ کار کو ہاتھ دے کر روکا تھا۔ کار میں میاں بیوی سوار تھے اور کلب سے لوٹ رہے تھے۔

"یہ میری بیوی ہے اور ایک شدید صدمے کے باعث

بے ہوش ہو گئی ہے۔ کیا آپ ہمیں ہمارے گھر تک ڈراپ کر دیں گے جناب!" عمران نے مسکین سی صورت بنا کر کہا تھا۔

مرد کے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت نے افسوس کے ساتھ عمران کے بازوؤں میں جھولتی ہوئی جولیا کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ کس صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہیں!" اس نے باریک سی آواز میں عمران کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"یہ ایک پرائیوٹ صدمہ ہے بیگم صاحبہ!" عمران نے اخلاق کے ساتھ کہا۔

"ایک ایسا صدمہ جسے عورتیں برداشت کرنے کی بجائے بے ہوش ہونا زیادہ پسند کرتی ہیں۔"

"آیئے آیئے! تشریف لایئے!" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے مرد نے ہاتھ بڑھا کر خود ہی پچھلا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تھا۔

عمران نے جولیا سمیت کار میں داخل ہوتے میں کسی سستی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا پھر اس نے جولیا کے گھر کے راستے یوں بتانا شروع کر دیئے جیسے کوئی اپنے گھر کا راستہ بتاتا ہے۔

"بہت بہت شکریہ جناب!" جولیا کے گھر کے سامنے کار

رکتے ہی عمران نے تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔
"اس دوران میں جولیا کی پلکیں بھی تھرتھرانا شروع ہو گئی تھیں۔
"یو آر موسٹ ویل کم!" کار ڈرائیو کرنے والے نے خوش مزاجی سے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ عمران جولیا کو دونوں ہاتھوں سے سنبھالے اسے دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس نے زور زور سے جولیا کے گال تھپتھپانے شروع کر دیئے تھے۔

"ارے ہوش میں آؤ بابا! یہ کیا مصیبت ہے۔ آگے ہی جان عذاب میں ہے اوپر سے یہ نئی بلا!"

جولیا بتدریج ہوش میں آتی چلی گئی اور جب اس کے حواس درست ہوئے تو عمران کو اپنے اتنے نزدیک اور زندہ سلامت دیکھ کر وہ بغیر آواز کے ایک بار پھر سسکنے لگی۔

"وہ.... وہ حبشی جوزف بھرا ہوا ریوالور لیے تمہیں شہر بھر میں تلاش کر رہا ہے عمران!" جولیا نے رنجیدہ آواز میں کہا۔

"وہ مجھے تلاش کر چکا ہے اور تمہاری اطلاع کے لیے صرف آدھ گھنٹہ پہلے وہ ایک چائے خانے میں اس ناچیز پر گولیاں بھی چلا چکا ہے۔"

"نہیں....." جولیا نے دہشت زدہ انداز میں کہا "تم ٹھیک

تو ہو نا عمران!"

"فی الحال تو ٹھیک ہوں میڈم! لیکن اگر تم نے اپنے پرس میں سے چابی نکال کر یہ سیر بھر کا تالا نہ کھولا اور تالا کھول کر مجھے اندر آنے کی دعوت نہ دی تو پھر میرے ٹھیک رہنے کے چانسز بہت کم ہیں۔ وہ بھوت کی اولاد مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں تک بھی آ سکتا ہے اور اس کا ریوالور بھی ابھی خالی نہیں ہوا ہے۔"

"اوہ!" ایک دم جولیا کے منہ سے نکلا اور اس نے فوراً ہی دروازہ کھولنے کے لیے پرس سے چابی نکال لی تھی۔

گھر میں داخل ہونے کے بعد عمران نے ایک لمبی سی جمائی لی اور غور سے جولیا کی طرف دیکھا۔

"ایک پیالی چائے کی، شکر ہو گی تمہارے ہاں!" اس نے جولیا سے پوچھا، "دراصل میں اپنی چائے کی پیالی اسی طرح چھوڑ کر نکل بھاگا۔ باپ رے باپ یہ سالا جوزف تو واقعی آج مجھے مار ہی دیتا۔ وہ تو کھو کر...."

"وہ تمہارے خون کے پیاسے ہو گئے ہیں عمران" جولیا اب آہستہ آہستہ اپنے اعصاب پر قابو پا رہی تھی۔ عمران کو زندہ دیکھ کر اسے اطمینان ہو گیا تھا۔

"ایکس ۔ ٹو نے سیکرٹ سروس کے ہر آدمی کو ہدایت کر دی ہے کہ تم جہاں اور جس حالت میں بھی نظر آؤ تمہیں شوٹ کر دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم نے کسی دہشت پرست تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی ہے اور کہ تم اپنے ملک اور قوم سے غداری کا جرم کر رہے ہو۔ کیا یہ درست ہے عمران! مجھے تفصیل سے ایک ایک بات بتاؤ۔"

"میرے پاس بتانے کے لیے بہت زیادہ باتیں نہیں ہیں بی بی!" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ بہرحال تم چائے تو بنا لاؤ پھر بتاتا ہوں۔ اس دوران ذرا تمہارے اس چوہے سے بھی دو چار باتیں کر لوں جس نے میرے قتل کا حکم نامہ جاری کر دیا ہے۔"

"تم ایکس ۔ ٹو کو ٹیلی فون کرو گے؟" جولیا کی آواز میں حیرت تھی۔

"کیوں ـــ اس میں اتنی حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ ایکس ۔ ٹو کو ٹیلی فون کرنے میں کوئی پہاڑ کھودنا پڑتا ہے کیا؟!"

"نن.... نہیں عمران!" جولیا کی آواز میں پریشانی تھی "میں تمہیں ایکس ۔ ٹو کو ٹیلی فون نہیں کرنے دوں گی۔ اگر اسے پتہ چل گیا کہ تم یہاں میرے پاس ہو تو وہ یہاں بھی کسی کو تمہارے قتل کی غرض سے بھیج سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ خود ہی....."

جولیا نے اندیشہ سے بھرا ہوا جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا تھا۔

"میری یہاں موجودگی کی اگر اسے خبر ہو بھی جائے تو کیا قیامت آجائے گی جولیا!" عمران نے اطمینان سے کہا۔

"سچ سچ بتاؤ! کہیں تم اس بات سے تو خائف نہیں کہ ایکس ٹو اس بات پر تمہارے خلاف ایکشن لے لے گا کہ تم نے مجھے قتل کرنے کی بجائے گھر میں پناہ کیوں دی۔"

"تم غلط سوچ رہے ہو عمران!" جولیا نے ایک دم ناراضگی سے کہا:

"تمہاری اطلاع کے لیے میں صفدر کے ہاتھ ایکس ۔ ٹو کو سیکرٹ سروس کی ملازمت سے تحریری استعفیٰ بھجوا چکی ہوں اور اس کی واحد وجہ وہ حکم ہے جو ایکس ۔ ٹو نے تمہارے قتل کے سلسلے میں جاری کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایکس ٹو نے مجھے حکم دیا تھا کہ استعفیٰ کا فیصلہ ہونے تک میں اپنے گھر سے باہر کہیں نہیں جا سکتی لیکن میں نے اس کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کی اور تمہاری تلاش میں اس گنجان میں کئی گھنٹے تک ماری ماری پھرتی رہی یہاں تھک کر نڈھال ہو کر میں گر پڑی اور پھر اچانک ہی تم یوں آ گئے جیسے خدا بہت قریب سے میری دعا سن رہا تھا اور اس کے

باوجود اگر تم مجھ پر شبہ کرتے ہو کہ میں تمہاری یہاں موجودگی کے باعث خائف ہوں تو ....“ جولیا نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

”ہوں .... تو یہ قصہ ہے۔“ عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا: ”تو بی بی ! تم سیکرٹ سروس سے استعفیٰ دے بیٹھی ہو۔ تبھی تو میں بھی کہوں کہ یہ اپنی جولیا بی بی سیکرٹ ایجنٹ کی بجائے کسی نیک پروین کی طرح بے ہوش کیوں ہو گئی ہے اپنے ”ان“ کو سامنے دیکھ کر۔“

”یہ ”ان“ سے تمہارا کیا مطلب ہے عمران!“ جولیا بگڑ کر بولی لیکن اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

”یہ ”ان“ سے مراد وہ ہے ”جن“ کا نام لینے کی مجال پرانے زمانے کی عورتوں کو جیتے جی تو کبھی نہ ہوتی تھی“ عمران چبا چبا کر لفظ ادا کر رہا تھا۔

”باز آجاؤ عمران!“ جولیا نے ہاتھ اٹھا کر کہا ”ورنہ یاد رکھو تم سے پہلے میں ایکس ٹو کو ٹیلی فون کر کے تمہاری یہاں موجودگی کی خبر دوں گی اور پھر دیکھوں گی۔ تم کیسے بچ نکلتے ہو“

”اس چوہے کی بات چھوڑ!“ عمران کہہ رہا تھا ”اپنی بات کرو۔ تم سے بچ نکلنا واقعی بہت مشکل ہے۔“

”عمران ... عمران ... ہوش کے ناخن لو۔ بچو! اور کان کھول کر سن لو کہ بے شک میں نے سیکرٹ سروس سے استعفیٰ

دے دیا ہے لیکن ابھی میرا استعفیٰ منظور نہیں ہوا ہے اور ایکس ٹو اپنے ہر کارکن کو تمہاری ہلاکت کا اجازت نامہ دے چکا ہے۔ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو“

”جب تک تم چائے نہیں بنا کر لاؤ گی میں اسی طرح اپنی جان کے پیچھے پڑا رہوں گا۔“ عمران نے پھر جمائی لیتے ہوئے کہا لیکن عین اس وقت جب کہ جولیا کچن کی طرف مڑ رہی تھی ٹیلی فون کی گھنٹی چیخ اٹھی۔

”لو پہلے اسے سنبھالو!“ عمران نے آرام سے ایزی چیئر کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا ”اور سنو!“ اس نے ریسیور اٹھاتی ہوئی جولیا کو ہاتھ سے اشارے سے متوجہ کرتے ہوئے کہا: ”اگر ایکس ٹو ہو تو میری بات ضرور کرانا۔“ اور واقعی دوسری طرف ایکس ٹو ہی تھا۔

”جولیا!“ وہ اپنی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا ”میں نے ت گئے تم کو اس لیے ٹیلی فون کیا ہے کہ اگر کسی وقت عمران تمہاری رہائش پر آ جائے تو مجھے اطلاع کرنا مت بھولنا۔ اوور۔ کے۔“

”میں نے آپ کا حکم سن لیا ہے جناب!“ جولیا کی آواز ۔ لرزا طاری تھا۔ ”لل .... لیکن وہ میرے پاس کیوں آنے لگا بھلا“ یہ کہتے ہوئے جولیا سامنے کرسی پر نیم دراز عمران

ہی کو دیکھ رہی تھی ۔

"کیوں کا کوئی جواب نہیں ہوتا لڑکی !" ایکس ۔ ٹو نے اسی لہجے میں کہا تھا جیسے اسے جولیا کا اس طرح جواب دینا برا معلوم ہوا ہو ۔ بہرحال یہ میری ہدایت ہے کہ اگر عمران تمہارے پاس آئے تو تم اس کی اطلاع مجھے کردو گی ۔ فوراً اسی وقت۔"

"میں کوشش کروں گی سر! لیکن آپ جانتے ہیں کہ وہ کتنا ہوشیار آدمی ہے میں بھلا اس کی موجودگی ہی میں اسے جھل دے کر کس طرح آپ کو اطلاع دوں گی ۔"

"ٹیلی فون مجھے دو جولیا !" اچانک عمران نے اسی طرح ایزی چیئر پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر کہا : "مجھے خود بات کرنے دو اس چوہے سے !"

"نن ۔ ۔ ۔ نہیں سر" جولیا نے بوکھلا کر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھے بغیر بے اختیار کہا: "تم بات نہیں کرو گے !"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے جولیا !" ایکس ۔ ٹو کی کرخت آواز اس کے کان میں آئی : "کیا ایک ہی وقت میں تم میرے علاوہ کسی اور سے بھی گفتگو کر رہی ہو ؟"

"نہیں جناب بالکل نہیں !" جولیا کی بوکھلاہٹ عروج پر تھی ۔

"میرا ذہن پریشان بہت ہے اس لیے ۔ ۔ ۔ !

"جولیا !" ایکس ۔ ٹو نے ٹھٹھری ہوئی سفاک آواز میں کہا: "مجھے

درست طور پر بتاؤ اس وقت تمہارے پاس کون موجود ہے ۔

"کک ۔ ۔ ۔ کوئی بھی تو نہیں جناب !" میں اکیلی ہوں اس وقت بالکل اکیلی ۔ آپ یقین کریں ۔ ۔ ۔"

اچانک عمران نے اپنی جگہ سے اٹھ کر جولیا کے ہاتھ سے ریسیور چھین لیا !

"میں عمران ہوں ۔ کیا تم ایکس ۔ ٹو ہو !" عمران کی آواز میں دور تک سوراخ کر دینے والا ایک نوکیلا پن تھا ۔

"عم ۔ ۔ ۔ عم ۔ ۔ ۔ عمران صاحب !" دوسری طرف بلیک زیرو کی آواز بری طرح لڑکھڑا گئی تھی ۔ "کک ۔ ۔ ۔ کیا آپ واقعی وہاں موجود ہیں ؟"

"اپنے لہجے کو سنبھالو مسٹر ایکس ۔ ٹو !" عمران نے اسی طرح نوکیلے لہجے میں کہا: "اور اگر میری موت کا تمہیں اتنا ہی انتظار ہے تو پھر آجاؤ میں یہاں جولیا کے مکان پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں ۔ آج یہ ٹنٹا بھی ختم ہو جانا چاہیئے ۔"

"آپ میری بات تو سنیں عمران صاحب ! دراصل یہ ساری ہدایات سر سلطان کے حکم ۔ ۔ ۔"

"مجھے تمہارا ہر چیلنج منظور ہے مسٹر ایکس ۔ ٹو ۔ تم بہت شوق سے مجھے ہلاک کرنے کی حسرت پوری کر سکتے ہو اور اس کے پیچھے تمہاری جو خواہش کام کر رہی ہے میں اس کو بھی جانتا ہوں ۔"

"آپ۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں عمران صاحب!" بلیک زیرو حد درجہ پریشان ہو کر کہہ رہا تھا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ آپ کے سامنے میری حیثیت ۔ ۔ ۔ ۔'

"لوگ اپنی حیثیت بھول جاتے ہیں ایکس۔ ٹو" عمران کا لہجہ اور طرز تخاطب اتنا کھردرا تھا کہ جولیا کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری طرف ایکس۔ ٹو عمران سے کیا باتیں کر رہا ہے البتہ عمران کی باتوں سے وہ یہ ہی نتیجہ نکال سکتی تھی کہ دونوں میں شدید قسم کی تلخ کلامی ہو رہی ہے اور وہ ایک دوسرے پر برس رہے ہیں۔

"تم بھی اپنی حیثیت بھول جاؤ اور میں بھی بھول جاتا ہوں۔ ہم دونوں اپنے پرانے تعلقات کو بھلا کر ایک نئے تعلق کی بنیاد رکھتے ہیں۔ آؤ اور آ کر میرے ساتھ دشمنی کے اس تعلق کی بنیاد رکھ لو۔ اگر تم میں قوت ہو گی تو مجھے ہلاک کر دو گے ورنہ میں تم سے اپنا انتقام لوں گا اور میرا یہ انتقام تمہاری موت کی صورت میں نہیں ہو گا!"

"عمران صاحب ۔ ۔ ۔ عمران صاحب!" یہ آپ کیا کہے جا رہے ہیں۔ آپ خود ہی غور کریں کیا آپ نے سر سلطان کو خط نہیں لکھا۔ کیا آپ نے وزیر داخلہ کو قتل نہیں کیا۔ کیا روشن قندیلوں کے ذریعے جو ایک پورا شہر قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہے وہ

اسی دہشت پسند تنظیم کی لعنتی سازش کا نتیجہ نہیں جس میں آپ نے شمولیت اختیار کر لی ہے۔ پھر بتایئے اب آپ کو مجھ سے یا سر سلطان سے یا کسی اور سے کیا شکایت ہے۔ جب تک آپ نے یہ ناقابل یقین قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اس وقت تک آپ خود ہی تو کہا کرتے تھے کہ فرض کی ادائیگی ہر حالت میں ضروری ہے چاہے اس کے لیے محبت قربان کرنا پڑے چاہے جان۔!" بلیک زیرو کی آواز میں آہستہ آہستہ اعتماد لوٹ رہا تھا اور اس نے روانی کے ساتھ اپنی بات مکمل کی تھی۔

"میں اس کے علاوہ اور بھی جانے کیا کیا کہتا رہا ہوں مسٹر ایکس۔ ٹو! اگر سیکرٹ سروس کے پاس میری سب باتوں کا حساب موجود ہے تو پھر میری ان خدمات کا حساب بھی ہو گا جو میں نے اس محکمے کے لیے انجام دیں لیکن اس کے جواب میں مجھے کیا دیا گیا۔ بتاؤ مسٹر ایکس۔ ٹو مجھے کیا دیا گیا!"

"آپ کبھی اتنے جذباتی نہیں ہوئے تھے عمران صاحب! نہیں معلوم آپ کو کیا ہو گیا ہے"۔ بلیک زیرو کی آواز میں افسوس تھا اور جولیا عمران کا بازو مضبوطی سے تھامے اس کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ عمران کی تلخ باتوں سے اس کی جان الگ ہوا ہو رہی تھی۔

"اگر میں جذباتی ہوں تو تمہارا محکمہ بھی کچھ کم جذباتی نہیں ہے

مسٹر ایکس۔ ٹو۔ بلکہ تم لوگوں نے جذبات کے ساتھ بھی بددیانتی کا مظاہرہ کیا۔ تم نے میرے ہی آدمی کو مشتعل کر کے مجھے قتل کرنے پر آمادہ کر لیا اور پھر اسے پورے شہر میں بھرا ہوا ریوالور لے کر گھومنے کی کھلی چھٹی دلا دی۔ وہ تو میری قسمت ہی اچھی تھی کہ میں بچ نکلا ورنہ اس کالے بھینسے نے تو مجھے اپنے سینگوں پر اچھال دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔"

"اوہ! تو کیا جوزف سے آپ کا سامنا ہو چکا ہے عمران صاحب!" بلیک زیرو نے چونک کر پوچھا۔

"تم سامنے کی بات کرتے ہو۔۔۔ میرا تو اس سے باقاعدہ آمنا سامنا ہوا ہے! خیر لعنت بھیجو اس قصے پر یہ بتاؤ کہ یہاں مجھے ہلاک کرنے کے لیے خود آ رہے ہو یا پھر میرے ہی کسی آدمی کے ہاتھوں نڑائی کرد گے!"

"آپ کی موت کا جو حکم جاری کیا گیا ہے عمران صاحب! اس کا جواز بالکل صاف اور واضح ہے اور ہر سمجھدار آدمی اس سے اختلاف کرنے سے گریز کرے گا چنانچہ میں بھی اس حکم نامے کو برحق سمجھتا ہوں۔ البتہ آپ کے مرتبے کے احترام میں میں اب کسی کارکن کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ آپ پر ریوالور تانے۔ یہ بات بھی کھلی ہے کہ اگر آپ کو ہلاک کر دیا جاتا ہے تو پھر میرے لیے بھی اس محکمے میں رہنے کا

کوئی جواز نہیں ہے۔ میں اس محکمے کو چھوڑ جاؤں گا اور کہیں خاموش اور تنہا زندگی گذاروں گا کیونکہ آپ کی زندگی میں مجھے جو رتبہ نصیب ہوا ہے وہ آپ کے بعد میرے پاس کبھی نہیں رہے گا۔ آپ کی ہلاکت دراصل میری پیشہ ورانہ زندگی کی ہلاکت بھی ہو گی۔ لیکن آپ نے میری جس طرح تربیت کی ہے اس کا تقاضا ہے کہ میں اپنے فرض کو اہمیت دوں۔ چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی قیمت ادا کرنا پڑے۔ میں آ رہا ہوں عمران صاحب! میں خود آپ کو ہلاک کروں گا۔ سیکرٹ سروس ہ ڈمی ایکس۔ ٹو سیکرٹ سروس کے اصلی ایکس۔ ٹو کو ہلاک کر دے گا اور یوں ایک انتہائی پُراسرار لیکن عظیم الشان ڈرامہ اپنے انجام کو پہنچے گا۔"

بلیک زیرو آج خلاف توقع روانی، اطمینان اور ٹھہراؤ کے ساتھ بول رہا تھا اور عمران نے اس دوران میں اسے ٹوکنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ پھر بلیک زیرو کی بات ختم ہوتے ہی عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

"وہ آ رہا ہے!" اس نے جولیا کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا: "اور آ کر خود مجھے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرے گا"

عمران نے اطمینان سے اپنا جملہ مکمل کیا اور دوبارہ ایزی چیئر کی طرف بڑھ گیا۔

"کیا تم درست کہہ رہے ہو عمران" جولیا نے جذباتی آواز میں کہا: "کیا ایکس۔ٹو خود یہاں آ رہا ہے"۔

"ہاں.... ہاں! وہ خود یہاں آ رہا ہے۔ تمہارا چوہا ایکس۔ٹو آج اپنی بل سے باہر نکلنے پر تیار ہو گیا ہے اور آج وہ میرا شکار کرے گا۔ لیکن تم فکر مت کرو!" عمران نے اطمینان سے کہا: "اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے ساتھ پھولوں کی ایک چادر بھی لائے گا۔ جو تمہارے لیے ہو گی تاکہ تم اس چادر کو میری قبر پر ڈال سکو!"

جولیا کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ کتنی ہی دیر تک وہ سکتے کے عالم میں عمران کو دیکھتی رہی پھر وہ بھوکی بلّی کی طرح اس پر جھپٹی:۔

"تم.... تم دفع ہو جاؤ یہاں سے ــــ میں کہتی ہوں فوراً" نکل جاؤ یہاں سے، بدمعاش لفنگے تم میرے گھر کو قتل گاہ بنانا چاہتے ہو۔ یہاں خون خرابہ چاہتے ہو لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی میں کہتی ہوں نکل جاؤ۔ ابھی فوراً ـ جاؤ نکلو...."

جولیا بڑی طرح عمران کو نوچ کھسوٹ رہی تھی اور اس کا بازو کھینچ کھینچ کر باہری دروازے کی طرف اشارہ کر رہی تھی لیکن عمران کے کان پہ جوں تک نہیں رینگ رہی تھی۔ وہ آرام کرسی پر ایک بے جان چیز کی طرح پڑا ہوا تھا۔

اچانک جولیا نے عمران کو نوچنا بند کر دیا اور عمران کے گھٹنوں پہ سر رکھ کر بے اختیاری کے عالم میں رونے لگی۔ اس کی دردناک سسکیوں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی لیکن اس کے باوجود عمران ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔

وقت لمحہ لمحہ گزر رہا تھا اور ایکس۔ٹو کی آمد قریب ہوتی جا رہی تھی۔



سربراہِ مملکت کی صدارت میں اعلیٰ سطح کی خفیہ میٹنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہ میٹنگ دراصل بہت زیادہ سوچ بچار اور انتظار کے بعد طلب کی گئی تھی۔

سربراہ کی طرف سے بار بار رنگین قندیلوں والے معاملے اور وزیر داخلہ کی موت کے کیس میں وزارتِ داخلہ کے حکام سے تفتیشی رپورٹ طلب کی جا رہی تھی لیکن وزارتِ داخلہ کے کسی جوان کے پاس ایسی کوئی رپورٹ نہ تھی جسے سربراہ مملکت کے سامنے پیش کرنے کی اہل قرار دیا جا سکتا۔

دراصل حقیقت یہ تھی کہ ان سب ہنگاموں اور وارداتوں کے بارے میں داخلہ والوں کے پاس کوئی ایک بھی ٹھوس بات نہ تھی جسے کارروائی کا نام دیا جا سکتا۔ وزیر داخلہ کی موت کے اگلے دو روز نئے وزیر داخلہ کے اعلان اور تقریب حلف برداری میں گذر گئے تھے پھر نئے وزیر داخلہ کو بعض ایسے معاملات کا فوری علم بھی نہیں تھا جو مرحوم

وزیر داخلہ کے علم میں لائی جا چکی تھی چنانچہ نئے وزیر داخلہ کو فائلوں کے مطالعے کے لیے بھی وقت درکار تھا۔

ادھر سیکرٹ سروس کا محکمہ جو ایسے معاملات میں وزیر داخلہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام دیتا تھا وہ بھی اس وقت اس معاملے کی بجائے کسی اور ہی چکر میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ عمران کی سیکرٹ سروس والوں سے جو ٹھن گئی تھی اس کے نتیجے میں اس محکمے کے اعلیٰ افسران معاملے کو پھیلی ہوئی نظر سے دیکھنے کی بجائے اسے محض عمران کے زاویئے سے دیکھ رہے تھے

عمران اس محکمے میں اس قدر اہم آدمی تھا کہ اب جبکہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھا تو انہیں وہ ہی واحد مخالف دکھائی دیتا تھا جو ان کے یا ملک و قوم کے خلاف کسی قسم کی کوئی سازش تیار کرنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور ان کا خیال تھا کہ اگر ایک بار وہ عمران کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو پھر سارا بگڑا ہوا نظام ایک دم درست ہو جائے گا۔

جانے سیکرٹ سروس کے سر سلطان یا دیگر افسران کی یہ منطق کہاں تک درست تھی لیکن ان کو یہ منطق اختراع کرنے پر آمادہ کرنے میں کچھ ہاتھ عمران کا بھی تھا۔ وزیر داخلہ کا قتل براہِ راست عمران کے ہاتھوں ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ

ملک کے ایک وزیر کا قتل یا اس کا قاتل دونوں کی حیثیت کسی بھی طرح سے کم نہیں ہوتی تھی۔

یہ وہ معاملات تھے جنہوں نے وزارت داخلہ کو ایک مسلسل شرمندگی اور بدحواسی میں مبتلا کر رکھا تھا ایسے حالات میں سربراہ مملکت کو بھلا کیا رپورٹ پیش کی جا سکتی تھی۔

بالآخر آئندہ تین روز کے انتظار کے بعد صدر نے اپنے مشیروں سے مشورہ طلب کیا اور وزارتِ داخلہ کے افسرانِ اعلیٰ کی ایک خفیہ میٹنگ بلائی۔ اس میٹنگ میں سر سلطان بھی موجود تھے اور ان کے لیے پیغام تھا کہ اس میٹنگ سے ان کا براہِ راست تعلق ہے اور ان کی اس میں موجودگی ناگزیر حد تک ضروری ہے۔

سر سلطان نے وزیر داخلہ سے اس میٹنگ کا ایجنڈا معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن غالباً خود وزیر داخلہ کو بھی میٹنگ سے قبل ایجنڈے سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ اس میٹنگ کا کوئی اخباری سرکاری اعلان نہیں ہوا تھا حالانکہ اخبارات میں روزانہ ہی ملک کے ایک خوب صورت شہر کی تباہی اور وزیر داخلہ کی موت کے ذمہ دار لوگوں کو بے نقاب کرنے کے سلسلے میں احتجاجی خبریں چھپ رہی تھیں اور ان اخبارات کے اداریے نہایت منطقی اور عقلی دلائل کے ساتھ مطالبہ کرتے تھے کہ

یا تو سربراہِ مملکت اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں یا پھر دہشت گردی کی ان وارداتوں کا سراغ لگایا جائے۔

سربراہِ مملکت سے استعفیٰ پیش کرنے کا سب سے زیادہ پرشور مطالبہ ملک کا ایک اخبار "انذار" بہت زور وشور کے ساتھ کر رہا تھا۔ اس اخبار کا ایڈیٹر ساٹھ برس کا سفید بالوں والا ایک گریس فل بوڑھا صحافی تھا جو اپنی جوانی کے زمانے میں شاعری اور ٹریڈ یونین کے ذریعے مشہور ہوا تھا۔ بعد میں اس نے پہلے شاعری ترک کی اور پھر ٹریڈ یونین ازم کو باقاعدہ ختم کر کے بقول شخصے ایک خلیفہ کے طور پر صحافت کا رخ کیا۔ اس کے اخبار کے اداریے عام طور پر تند و تیز اور مخالفانہ ہوتے تھے اور اس میں شائع شدہ خبروں کا انداز اشتعال انگیزی کا رجحان رکھتا تھا۔

اس صورتِ حال میں جب کہ ملک بھر میں خوف و ہراس پھیل چکا ہو اور سیکڑوں بے گناہ لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے ہوں۔ ملک کے سربراہ سے استعفیٰ طلب کرنا درست بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی جذباتی اور عقلی دونوں منطقیں موجود تھیں۔ لیکن اس کا ایک مطلب یہ تھا کہ پہلے سے پریشانی سے دو چار لوگوں کو مزید بے آسرا پن کا شکار کر دیا جائے اور توجہ کو نئے صدر کے انتخاب وغیرہ میں الجھا کر حقیقی مسئلے

کو نظر انداز کر دیا جائے۔

بعض اخبارات یہ دوسرا نکتہ نظر بھی پیش کر رہے تھے لیکن عام لوگوں کے لیے اہم بات صدر کا استعفیٰ یا صدر کی موجودگی نہیں تھی بلکہ وہ امن چاہتے تھے، جانوں کا تحفظ چاہتے تھے اور سکون چاہتے تھے۔ یہ چیزیں انہیں جو بھی فراہم کرنے پر تیار ہو جاتا وہ اس کے حق میں تھے۔

بہرحال صدر مملکت کی پریشانی اپنی جگہ درست تھی اور اس خفیہ اجلاس کی طلبی کسی بڑے ہی اقدام کا پیش خیمہ ہو سکتی۔ میٹنگ کی خبر اخبارات کے ہاتھ نہیں لگی تھی ورنہ جانے وہ اس کے کیا کیا مطلب تراشتے۔ لیکن صرف آدھ گھنٹے کی اس میٹنگ میں صدر نے صرف ایک تجویز اجلاس کے حاضرین کے سامنے رکھی اور اس پر اپنی رائے دینے کے لیے کہا۔

تجویز کا ایک ایک لفظ واضح طور پر پڑھ کر حاضرین کو سنایا گیا تھا۔ پانچ منٹ کی ریڈنگ کے بعد دس منٹ تک صدر نے خود اس تجویز کی وضاحت میں گفتگو بھی کی تھی۔ لہذا کسی کے لیے اس تجویز کے سمجھنے میں اب کوئی الجھن نہ تھی غالباً یہ ہی وجہ تھی کہ اگلے پانچ منٹ میں حاضرین کے دستخطوں سے بھرے ہوئے وہ کاغذات صدر کے پاس واپس پہنچ گئے جن پر تجویز ٹائپ کی گئی تھی۔

صدر نے اپنی مونوکل آنکھ پر جمائی اور بغور دستخطوں کا معائنہ کیا پھر انہوں نے کاغذ کو میز پر رکھ دیا اور مونوکل آنکھ سے ہٹا کر درمیان کے ایک کوچ پر ڈھلکے ہوئے انداز میں بیٹھے سر سلطان کو دیکھا۔

"سر سلطان!" صدر کی پاٹ دار آواز وسیع ہال میں گونجی؛ "کیا آپ اس تجویز کی حمایت نہیں کرتے؟" صدر کی آواز میں ہلکی سی حیرانی تھی۔ "آپ کے دستخط اس کاغذ پر موجود نہیں ہیں کیا اس کا سبب یہی ہے جو میں نے بیان کیا!"

"جی ہاں! جناب صدر! مجھے افسوس ہے کہ میں اس تجویز کی حمایت نہیں کرتا۔ اس تجویز کا براہ راست تعلق چونکہ اس محکمے سے ہے جس کا میں سربراہ ہوں اور تجویز کو منظور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں خود اپنے قلم سے اپنی نااہلی کی دستاویز پر دستخط کر دوں۔ لہذا مجھے اس تجویز کی حمایت کرنے سے معذور سمجھا جائے۔"

سیکرٹ سروس کے سربراہ کی حیثیت سے اس تجویز کی حمایت آپ کو لازمی طور پر کرنا ہوگی۔ دوسری صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس تجویز پر عمل نہ کر سکیں گے اور حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اس پر عمل کر ہی ڈالیں کیونکہ وزارت داخلہ اور سیکرٹ سروس کی طرف سے اب تک جو رپورٹیں

محدود تک آئی ہیں ان کی حیثیت تحریری کمنٹری سے زیادہ کچھ نہیں۔ میرے پاس اب تک کوئی ٹھوس نکات پر مبنی رپورٹ نہیں آئی ہے۔

میں نے یہ میٹنگ اسی تجویز پر یہاں موجود حضرات کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بلائی تھی۔ عوام کی بے چینی اور سازشی ذہنوں کی اختراع سازی دن بدن بڑھ رہی ہے۔

آپ ہی بتائیں کہ ایسے حالات میں اگر میں نے اپنے دوست ملک کے محکمہ جاسوسی کے ماہرین کو اس کیس کے حل کے لیے بلانے کی تجویز پیش کی ہے تو اس میں آخر برائی کیا ہے؟

میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس سے میری صدارت کا تحفظ بھی ہو سکتا ہے لیکن آپ یقین رکھیں کہ اس اقدام کے کرنے میں میری پہلی خواہش اپنے عوام کے دلوں میں پیدا شدہ خوف و ہراس کا خاتمہ ہے اور کچھ نہیں۔

"میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں جناب صدر! اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دوست ملک کے ماہر جاسوسوں کو اپنے ملک میں بلانے کی دعوت دیتے ہوئے آپ کے ذہن میں سیکرٹ سروس کی اس کیس کے سلسلے میں اب تک کی کارکردگی واضح ہے لیکن سیکرٹ سروس کے سربراہ کی حیثیت سے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کسی بھی دوسرے ملک کا سیکرٹ ایجنٹ

جب کسی غیر ملک میں داخل ہوتا ہے تو وہ اس ملک کا دوست ہونے کے باوجود اپنے پیشے کی مجبوری کے تحت وہاں کے نقائص، خامیاں اور کمزوریاں بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور یہ اس ملک کے مفاد میں نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے ملک کی سیکرٹ سروس کا جو ریکارڈ اب تک فائلوں میں محفوظ ہے یا دنیا کے مختلف جاسوسی کے محکمے ہمارے محکمہ جاسوسی کو جس حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ ایک باوقار اور قابلِ رشک حیثیت ہے۔ ایسے میں اپنی شکست کا اعتراف کر کے غیر ممالک سے جاسوسی کے ماہرین کو طلب کرنا میرے لیے کسی بھی صورت میں پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔

"لیکن سیکرٹ سروس کی اب تک کی کارروائی صفر ہے ایسے حالات میں سوائے اس تجویز پر عمل کرنے کے ہمیں دوسری کوئی راہ دکھائی نہیں دی سر سلطان!" صدر نے سنجیدگی سے رک رک کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے جناب صدر!" سر سلطان نے اپنے سفید بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"آپ بے شک اس تجویز پر عمل کر سکتے ہیں۔ میں اپنے عہدے سے مستعفی ہو جاتا ہوں۔ میرا خیال ہے اپنی ناکامی کا اس سے کھلا اعتراف میرے لیے اور کوئی نہیں ہے۔"

"آپ خوب غور کر لیں سر سلطان!" صدر نے تجویز والے کاغذات کو میز سے اُٹھا کر سر سلطان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"میں ہمیشہ سے آپ کی صلاحیتوں کا معترف رہا ہوں اور سیکرٹ سروس کے محکمے کے لیے آپ کی خدمات اتنی شاندار ہیں کہ یہ ادارہ آپ کی سربراہی ہی میں باوقار معلوم ہوتا ہے لیکن کم از کم اس معاملے میں آپ کو اس تجویز کی حمایت ضرور کرنی چاہیے۔"

"میری حمایت اس تجویز کے لیے اتنی ضروری نہیں جناب صدر! جتنی ضرورت اس تجویز پر عمل کرنے کی ہے لہٰذا میں سیکرٹ سروس کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے آپ کو ہٹا لیتا ہوں۔ معاملہ خود بخود درست ہو جائے گا۔"

"اجلاس ختم کیا جاتا ہے۔" صدر نے میز پر ہاتھ بجا کر کہا اور آنکھ کے اشارے سے سر سلطان کو قریب آنے کے لیے کہا۔ تجویز کی حمایت کرنے والے صدر کی طرف بڑھ رہے تھے، لیکن صدر کی توجہ اس وقت سر سلطان کی طرف تھی جو مضمحل قدموں سے چل رہے تھے۔ وہ اپنے دل میں سیکرٹ سروس کی سربراہی سے استعفیٰ دینے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے۔

O

اجلاس کے خاتمے کے بعد صدر نے سر سلطان کو روک کر انہیں حالات کی نزاکت کے تحت مصلحت سے کام لینے اور تجویز کی حمایت کرنے پر آمادہ کرنے کی اپنی سی کوشش کر دیکھی تھی لیکن سر سلطان جو فیصلہ کر چکے تھے اس پر قائم رہے اور سیکرٹ سروس کی سربراہی سے علیحدہ ہونے کا یہ فیصلہ صدر کو بتا کر رخصت ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں صدر کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ دوست ملک کے محکمہ جاسوسی کا تعاون طلب کرتے چنانچہ صدر نے ایسا ہی کیا تھا جس کے جواب میں صرف چوبیس گھنٹے کے دوران ان دوست ملک کے محکمہ جاسوسی کا ایک نہایت جہاں دیدہ تجربہ کار اور پختہ عمر کا ایک ایجنٹ صدر کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے دارالحکومت پہنچ گیا تھا جہاں وزیر داخلہ نے بہ نفس نفیس اس کا استقبال کیا اور محکمہ جاسوسی کے دیگر افسران نے ایک طویل

نشست میں اس ایجنٹ کے سامنے اب تک کے حالات رکھے تھے۔

"میرا تعلق ایک ایسے ملک سے ہے جو صرف اپنے ہی معاملات پر گہری نظر نہیں رکھتا بلکہ دنیا کے مختلف ملکوں اور علاقوں میں بدلتی ہوئی صورتِ حال کا بغور جائزہ بھی لیتا رہتا ہے۔ ہمارے پاس ہر ملک کے بارے میں خفیہ اطلاعات پر مبنی فائلیں موجود ہیں ان اطلاحات میں سے بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے بارے میں بعض اوقات خود اس ملک کے حکام بھی نہیں جانتے۔ آپ کے ملک کے بارے میں بھی ہمارے پاس چند ایسی اطلاعات ہیں جن کا علم شاید ابھی تک آپ کو نہیں۔ آپ کے ملک روانہ ہونے سے پہلے مجھے اس فائل کا مطالعہ کرایا گیا تھا۔ اور یہ بات میرے لیے بہت معاون ثابت ہوئی تھی کیونکہ آپ کے ملک کے موجودہ حالات کا ان اطلاعات سے گہرا تعلق ہے۔"

اس جہاں دیدہ ایجنٹ نے اُن کا نام گراہم ڈڈ تھا، سیکرٹ سروس کے افسران کو یہ بات بتا کر پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے دبے دبے سوالات کے ذریعے ان معلومات کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تھی لیکن ڈڈ نے ان معلومات کے بتانے سے معذرت کر لی تھی۔

"یہ اطلاعات میرے ملک کی سیکرٹ سروس کا خفیہ ریکارڈ ہے۔ میں اس ریکارڈ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کے ملک میں ہونے والے واقعات کا سراغ لگانے کی کوشش ضرور کروں گا لیکن میں یہ اطلاعات آپ تک پہنچانے سے معذور ہوں۔"

ڈڈ نے مسکراتے ہوئے بہت اخلاق کے ساتھ کہا جس کے بعد اس نے سیکرٹ سروس کے کارکنوں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ پھر ان کارکنوں کی میٹنگ میں اس نے اپنے اس طریقۂ کار کا تفصیل سے ذکر کیا تھا جس کے ذریعے وہ موجودہ کیس کو حل کرنے کا خواہش مند تھا۔ اس میٹنگ میں جولیا موجود نہیں تھی۔ البتہ صفدر نے شرکت کی تھی۔ سر سلطان کے استعفیٰ کے بعد وہ بھی خاصا بد دل ہو گیا تھا۔ ایک طرف عمران کی سیکرٹ سروس سے علیحدگی دوسری طرف سر سلطان کا استعفیٰ اور تیسری طرف اپنی ایک رفیق جولیا کی سیکرٹ سروس سے بدظنی کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے ایسے میں وہ سیدھا سر سلطان کے پاس پہنچا تھا اور ان سے مشورہ طلب کیا تھا جنہوں نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ بدستور سیکرٹ سروس کی اسی طرح خدمت کرتا رہے جیسے کہ اس سے پہلے کرتا رہا تھا۔ ان کا جواز یہ تھا کہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی عین ممکن ہے کہ صورت بدل جائے ایسے میں کچھ

معقول لوگوں کا ابھی اس محکمے میں رکے رہنا ضروری ہے البتہ ایکس۔ٹو نے ایک طویل چھٹی لے لی تھی۔ یہ چھٹی اس نے بحیثیت ایکس۔ٹو ہی لی تھی اور اس طرح گراہم وڈ کی ہدایات آخری ہدایات تھیں۔

اس حالت میں سیکرٹ سروس میں ٹیم اسپرٹ اس بُری طرح متاثر ہوئی تھی کہ کوئی سرا کسی کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن گراہم وڈ کی آمد کے تیسرے ہی روز جب اس نے ایک ارجنٹ میٹنگ طلب کی اور سیکرٹ سروس کے کارکنان کے سامنے ایک تین سطری رپورٹ پڑھ کر سنائی تو میٹنگ میں موجود ہر شخص ہکا بکا رہ گیا تھا۔

یہ تین سطری رپورٹ ایک خبر رساں ایجنسی کے مقامی رپورٹر نے نجی طور پر گراہم وڈ کو فراہم کی تھی۔ رپورٹر اگرچہ ایک ملکی باشندہ تھا لیکن ایک تیز طرار اور درون خانہ رازوں سے باخبر صحافی کے طور پر اس کی شہرت بتدریج ملک سے باہر بھی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس لئے گراہم وڈ کو یہ خبر محض اس لیے فراہم کی تھی کہ وڈ سے اس کے طالب علمی کے زمانے کے تعلقات تھے۔ دونوں ایک ترقی یافتہ ملک کی یونیورسٹی میں کئی برس اکٹھے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔

"یہ خبر حکومت کے پاس فروخت بھی کی جا سکتی تھی" وڈ نے

کارکنان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: "اور ان لوگوں کو بلیک میل بھی کیا جا سکتا تھا جو اس خبر سے متاثر ہونے والے لوگ ہیں۔ لیکن ہم اس خبر سے تیسرا کام لیں گے...."

"تیسرا کام—" یہ بات ڈرامائی سی معلوم ہوئی تھی اور ہر آنکھ وڈ کی طرف اٹھی ہوئی تھی جانے وہ اس خبر سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"اب میں تفصیل سے اپنا پروگرام آپ کے سامنے رکھتا ہوں میرا خیال ہے وہ آپ کو پسند آئے گا۔" اس کے بعد وڈ نے اس تیسرے کام کا حوالہ دیا تھا جو وہ ایک نہایت اہم خبر سے لینا چاہ رہا تھا۔

کارکناں کے چہروں پر اطمینان سا جھلکنے لگا تھا۔ یہ تیسرا کام واقعی انہیں پسند آیا تھا۔



تاریک جزیرے کی ایک نیم تاریک عمارت میں ہونے والے اس انقلابی اجلاس میں عمران بھی موجود تھا۔ یہ ایک ساحلی جزیرہ تھا جس میں تعمیر کی گئی ایک عظیم الشان اور جزیرے کی واحد عمارت میں اس وقت پچاس آدمیوں کا ایک گروہ عمارت کے وسیع ہال میں بہت بڑی بیضوی میز کے گرد بیٹھے بہت انہماک اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے مصروفِ گفتگو تھے۔

ان پچاس آدمیوں میں سے تقریباً نصف آدمیوں کا تعلق ملکی فوج سے تھا۔ یہ لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے باقی کے نصف لوگوں کا تعلق ملک کے ہر شعبہ زندگی سے تھا۔ ان میں بین الاقوامی سطح پر درآمدات برآمدات کا کاروبار کرنے والے تاجر بھی تھے۔ دو ایک چہرے ملک کے اہم صنعت کاروں کے بھی تھے۔ کچھ ان میں سے ایسے تھے جو اعلیٰ سول انتظامیہ کے لوگ کہلاتے ہیں۔ دو صحافی تھے۔ جن میں سے ایک

روزنامہ "اقتدار" کا ایڈیٹر تھا اور یہ اجلاس ان پچاس لوگوں کا اجلاس تھا جو موجودہ حکومت کی جگہ متبادل حکومت اور متبادل سربراہ لانے کے لیے ایک لمبے عرصے سے پروگرام بناتے بناتے اب آخری مرحلے تک پہنچ گئے تھے۔

یہ موجودہ حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنے والوں کا اجلاس تھا اور عمران اس اجلاس کے ایک سرگرم رُکن کی حیثیت سے جوش و خروش کے ساتھ انقلاب کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ انقلاب کا زبردست حامی تھا اور اس کے خیال میں موجودہ حکومت کی تبدیلی نہایت ضروری ہو گئی تھی۔ وہ اس حکومت کے مختلف محکموں کی کمزوریوں کا کھل کر انکشاف کر رہا تھا اور اجلاس کے حاضرین کو آمادہ کر رہا تھا کہ انقلاب برپا کرنے میں اب کوئی دیر نہیں ہونی چاہیے۔

"اس ملک کے لوگوں کے لیے اقتدار کا واقعہ۔ ان حالات میں ایک معمولی واقعہ ہو گا۔ "شہر آباد" جیسی بستی میں روشن قندیلوں والے ڈرامے اور پھر بعد میں ان قندیلوں ہی کے ذریعے "شہر آباد" کی تباہی کے واقعات نے پورے ملک میں بے تحاشا خوف و ہراس پیدا کر رکھا ہے۔ اخبارات حکومت کے خلاف بے تحاشا تحریریں شائع کر رہے ہیں

بلکہ انہوں نے تو سربراہِ مملکت کو استعفیٰ دے کر حکومت سے علیحدہ ہو جانے کے لیے بھی کہا ہے۔ یہ باتیں بھی حکومت کے خلاف اور ملک کے موجودہ سربراہ کے خلاف عوام کے جذبات بھڑکانے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ بلکہ روزنامہ "اقتدار" نے تو کھلم کھلا یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ملک کا نظام نئی حکومت کے قیام تک فوج کے حوالے کر دیا جائے کیوں کہ موجودہ سول انتظامیہ ملکی معاملوں کو کامیابی سے چلانے میں ناکام ہو گئی ہے۔ ایسے میں اگر ہم انقلاب برپا کر دیتے ہیں تو بغیر کسی اندیشے کے کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ سربراہ کے لیے عوام کے دلوں میں نرم جذبات ہونے کے باوجود لوگ ہمارے خلاف اٹھنے یا ہمارے انقلاب کے بارے میں کھلی ناراضگی کا اظہار کرنے سے گریز کریں گے کیونکہ حالات ہمارے ساتھ جا رہے ہیں لیکن ایک بات....."

عمران نے رک کر سر کھجاتے ہوئے کہا: "میں ابھی تک نہیں جان پایا اور وہ یہ کہ انقلاب برپا ہو جانے کی صورت میں ہم کس کو اپنا نیا سربراہ بنانا پسند کریں گے۔ کیا موجودہ سیاسی جماعتوں میں سے کسی کے سربراہ کو ملک کا صدر بنایا جائے گا، یا یہ عہدہ فوجی افسران میں سے کسی کے پاس ہو گا یا یہ کہ..... میرا مطلب ہے؟"

عمران نے رک کر سر کو جھٹکا دیا۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا ہم اس بارے میں کوئی فیصلہ کر چکے ہیں؟"

"ہم اس بات کا فیصلہ کر چکے ہیں مسٹر عمران" ایک ادھیڑ عمر کے فوجی افسر نے کہا جو لیفٹیننٹ جنرل کا عہدہ رکھتا تھا۔ یہ فوج کے پہلے پانچ سینیئر ترین افسران میں سے ایک تھا اور اس کی ریٹائرمنٹ میں صرف چار سال باقی تھے۔ پہلے پانچ سینیئر لوگوں میں اس کا نمبر پانچواں تھا اور وہ آئندہ چار برسوں میں چیف آف دی آرمی سٹاف کے عہدے تک صرف اس لیے نہیں پہنچ سکتا تھا کہ اس کے پہلے تین سینیئر افسر بھی اسی تاک میں تھے اور اصولی طور پر یہ عہدہ ان ہی میں سے کسی ایک کو ملنا تھا۔

اس لیفٹیننٹ جنرل کے لیے چیف آف دی آرمی سٹاف کے عہدے تک آنے کی واحد صورت یہ تھی کہ ملک میں انقلاب برپا ہو جائے اور وہ اس انقلاب کے سرکردہ لوگوں میں سے ہو۔ اس انقلابی اجلاس میں اس کی موجودگی کا تنہا سبب یہی ایک بات تھی۔

"میں اور میرے علاوہ اس اجلاس میں موجود چھ دیگر افراد اس شخص کو اچھی طرح جانتے ہیں جس کو اس ملک کا سربراہ بنانے کے لیے اجلاس برپا کیا جا رہا ہے۔"

"کیا آپ سات لوگوں کے علاوہ ہم بھی اس شخصیت کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں!" عمران نے یہ بات بہت اشتیاق کے ساتھ کہی تھی۔

"تعارف حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں" یہ جملہ ایک تندخو سے تنومند نوجوان نے کہا تھا جو دہشتی کارروائیوں کی کمان کرتا تھا اور موجودہ انقلاب کا بنیادی آدمی تھا۔

"لیکن اس شخصیت نے ہمیں منع کیا ہے کہ انقلاب برپا ہونے تک اس کا نام ظاہر نہ کیا جائے۔ اس کا بڑا سبب اور مناسب جواز غالباً یہ ہے کہ انقلاب ناکام ہونے کی صورت میں وہ شخصیت بے نقاب ہو جاتی ہے اور یہ بات ہمیں ناقابلِ تلافی پہنچا سکتی ہے جب کہ انقلاب کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر خود کو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن نقصان تو اسی صورت میں ہوگا جب اس انقلاب کے کسی دشمن کو اس شخصیت کا نام معلوم ہوگا۔ ہم سب لوگ تو اس انقلاب کی حمایت کرنے والے بلکہ ایسے برپا کرنے والے ہیں!" عمران نے اخلاص کے ساتھ کہا تھا۔

"آپ کی بات درست ہے مسٹر عمران!" اس تندخو نوجوان نے سنجیدگی سے کہا تھا لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر ہمارے درمیان میں سے کوئی شخص کسی سبب سے انقلاب کی حمایت

کرتے کرتے اس کی تکمیل سے پہلے ہی کوئی اختلاف ہونے پر ں انقلاب کے خلاف ہو جاتا ہے تو ہمیں اپنے انقلاب کے یرو کو اس اندیشے سے بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔

"اوہ - آئی - سی" عمران نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا: واقعی یہ پہلو تو واقعی میرے ذہن میں نہیں تھا۔ بہرحال اگر یہی بات ہے تو مجھے کوئی اصرار نہیں لیکن ...

عمران کا جملہ ادھورا رہ گیا کیوں کہ ایک بہت اونچے اور ے دروازے کا پٹ بہت آہستگی کے ساتھ کھلا تھا اور ب مؤدب آدمی ہاتھ میں ٹیلی فون تھامے میز کی طرف ھا تھا۔

"بارڈر سے ٹیلی فون ہے جی!" اس نے ریسیور اور کریڈل کو نوں ہاتھوں میں علیحدہ علیحدہ اٹھایا ہوا تھا۔

"ایک بہترین نفیس سوٹ میں ملبوس کھچڑی بالوں والا ایک ا پتلا آدمی ٹیلی فون لانے والے کی طرف مڑا۔

"ادھر لے آؤ!" اس نے تحکمانہ آواز میں کہا اور سگار کا سا کش لے کر اسے ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ یہ جزیرہ اس کی ت ہے اور بارڈر سے مراد اس جزیرے کی آخری زمینی حدود یں جہاں اس وقت اس کے آدمی پہرے پر موجود تھے۔ وہ ملک چند بڑے صنعت کاروں میں سے ایک تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے ریسیور کان سے لگا کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔ سب لوگ اس دبلے آدمی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دوسری طرف سے کچھ کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ آدمی چونک سا گیا۔ اس نے تیزی سے آنکھیں جھپکیں اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں خوف تھا۔

"کیا چاروں طرف سے.....؟"

دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا اور اس کے آدمی نے بغیر کچھ کہے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خود نہایت پریشانی اور عجلت کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"انہوں نے ہمارے جزیرے کو گھیر لیا ہے۔" اس کی آواز اس کے بدن ہی کی طرح کمزور تھی۔ ہال میں موجود سب لوگ ایک دم اپنی جگہوں سے اُٹھے تھے۔

"یہ کیسے ہوا؟" ان میں سے کسی ایک کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن اس کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔



گراہم وڈ کی نگرانی میں سیکرٹ سروس کی فرنٹ فورس نے یرے کو پوری طرح گھیر لیا تھا۔ فرنٹ فورس سے مراد سیکرٹ وس کا وہ شعبہ تھا جس میں شامل لوگ اس محکمے کی اجتماعی مسلح روائیوں میں حصہ لیتے تھے۔

گراہم وڈ کے دوست صحافی کی فراہم کردہ خفیہ خبر درحقیقت ی اجلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وڈ کے ہاتھ ر کسی کوشش کے ایک ایسی خبر آ گئی تھی جس کے تحت اس خیال میں تقریباً سارا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

جزیرے کو گھیرنے کے بعد مسلح افراد کا ایک دستہ جزیرے زمین پر ایڈوانس کرنے کے لیے آگے روانہ کیا گیا تھا جس نے وریلا انداز میں کسی تصادم کے بغیر ان لوگوں کو قابو میں کر لیا جو س جزیرے کے مختلف مقامات پر کناروں پر پہرے کی ذمہ داری ری کر رہے تھے۔

بعد میں ان ہی گرفتار شدہ لوگوں میں سے کسی ایک کے

ذریعے اندر عمارت میں ٹیلی فون کے ذریعے اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ جزیرے کو گھیر لیا گیا تھا اور مدافعت کرنے کی صورت میں کسی بھی آدمی کو ہلاک کرنے سے گریز نہیں کیا جائے گا۔

اس خبر سے عمارت کے اندر موجود انقلاب برپا کرنے والوں تک پہنچتے ہی جیسے بھونچال آ گیا تھا۔ وہ سب چونک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف عجیب خوف زدہ اور مشکوک نظروں سے دیکھا تھا ان سب کے ذہنوں میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا کہ اطلاع میں موجود پچاس آدمیوں کے علاوہ یہاں ان کی موجودگی کی خبر کسی اور کو کیسے ہو گئی۔

"ہم اپنے آپ کو ان کے حوالے نہیں کریں گے!"

اچانک اسی تند خو نوجوان نے بلند جذباتی آواز میں کہا۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں گے!"

"صرف کوشش..." دبلے پتلے صنعت کار نے تشویش سے کہا: "مقابلہ اور کوشش کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان سے کمزور ہیں اور ہمارے مارے جانے کا اندیشہ زیادہ ہے تو پھر میرے خیال میں تو ہمیں بجائے مقابلے کے اور کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

"اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ صرف ایک ہے..." لیفٹیننٹ جنرل نے بوجھل آواز میں کہا: "وہ یہ کہ ہم اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں...." وہ لمحہ بھر کو رُکا اور غور سے اس آدمی کی طرف دیکھا جس نے یہ تجویز پیش کی تھی "اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں مسٹر شیخ کہ پوری دنیا اور پوری تاریخ میں بغاوت کی سزا ہمیشہ موت تجویز کی گئی ہے۔ کیا آپ مرنے کے لیے تیار ہیں....؟"

"مم.... میرا مطلب ہے کہ.... کہ ہم ان سے گفت و شنید کے ذریعے...." صنعت کار نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"انقلاب کبھی گفت و شنید کے ذریعے برپا نہیں ہوتا مسٹر شیخ!" تجربہ کار بوڑھے فوجی کی آواز میں سختی تھی۔ "سیاسی اقتدار کے لیے انقلاب لانے کے لیے اکثر خون ریزی ایک ضروری چیز ہوتی ہے!"

لیکن خون ریزی ہمارے انقلاب کو روکنے کا سبب.... اس نے کہنے کی کوشش کی۔

"اگر ہم خون ریزی سے خوف زدہ ہیں اور خود کو ان کے حوالے کر دینے کے لیے تیار ہیں تو فرق تب بھی کچھ نہیں پڑتا گرفتار ہو جانے کی صورت میں ہم غدار اور باغی ہوں گے" تند خو نوجوان نے کرخت آواز میں کہنا شروع کیا تھا "ہم کو گولیوں کی باڑ کے سامنے اس طرح رکھ دیا جائے گا جیسے تپتی ہوئی

ٹی میں جھونکنے کے لیے پھینک ڈال دیئے جاتے ہیں، مرتو ہم
ب بھی جائیں گے لیکن اگر ہم مقابلہ کرتے ہیں تو شاید ہم
اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ ہم سب نہیں
تو ہم میں سے کچھ یا چند ایک ہی بچ جائیں۔ اگر آپ کاروباری
نقطہ نظر سے جائزہ لے رہے ہیں تو تب ہمارا فائدہ اسی میں
ہے کہ ہم مقابلہ کریں۔ مرجائیں یا مار دیں۔ یہ انقلاب کا
بنیادی اصول ہے۔"

مسٹر شیخ نامی صنعت کار خاموش رہا تھا اور اجلاس کی
اکثریت اس بات کو جان چکی تھی کہ اب واقعی خون دینے
یا خون بہانے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

"ہم لڑیں گے.... ہم سب لڑیں گے!" یہ عمران کی آواز
تھی جو ابھی تک بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آواز جذباتی بلند اور
پُرجوش تھی۔ اس کے جملہ ادا کرتے ہی اجلاس میں بھنبھناہٹ
شروع ہو گئی تھی، اور سب کی نظریں فوجی افسران اور اس
تندخو نوجوان کی طرف اٹھ گئی تھیں جو دہشت گردی کا
خصوصی ماہر تھا۔

"یہاں اس عمارت میں ہماری ضرورت کے لیے کچھ اسلحہ
موجود ہے۔" دہشت گرد نوجوان نے مسٹر شیخ کی طرف دیکھتے
ہوئے کہا جن کی گردن انکار میں خفیف سی حرکت کر رہی تھی
اگلے چند منٹ کے اندر وہ ہال خالی ہو چکا تھا اور ان پچاس

انقلابی افراد میں اسلحہ کی تقسیم مکمل ہو چکی تھی۔

"ہم سب انقلاب کے محافظ ہیں!" تندخو نوجوان نے اسلحہ
کی تقسیم کے بعد ان تمام لوگوں سے کہا تھا۔ "انقلاب کی
حفاظت کا مطلب ہے خود اپنی حفاظت۔ اگر ہم میں سے کوئی
ایک بھی پکڑا گیا یا ہلاک ہو گیا تو انقلاب کو نقصان پہنچے گا
لہٰذا ہم میں سے ہر ایک شخص کا ذمہ صرف یہ ہے کہ وہ
اپنے آپ کو بچا کر ان لوگوں کی گرفت سے باہر نکل جائے
جو محض سرکاری کارندے ہیں اور کچھ نہیں۔"

"لیکن ہم اس جزیرے سے باہر کس طرح نکل سکتے ہیں!"
کسی نے اچانک سوال کر ڈالا تھا۔ "جزیرے کو تو ان لوگوں
نے گھیر رکھا ہے۔"

"آدمی اگر اپنے آپ کو بچانا چاہے اور زندگی سے محبت اس
میں باقی ہو تو وہ کوئی نہ کوئی ترکیب ضرور لڑا لیتا ہے۔"
اسٹین گن کو اپنے کندھے سے لٹکاتے ہوئے عمران
نے فوری طور پر یہ جملہ کہا تھا جسے سن کر تندخو نوجوان
نے توصیفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ "آپ نے لاکھ
روپے کی بات کی ہے عمران صاحب!"

اس کے بعد کسی نے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور وہ
سب عمارت سے باہر نکل کر جزیرے کی نیم تاریکی میں گم ہو گئے

تھے۔ یہ گوریلا مدافعت تھی۔ عمارت کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا ایک کمزور اور احمقانہ فعل تھا اور یہ بات ان میں سے ہر ایک نے جان لی تھی۔

عمارت سے باہر نکلنے والوں میں عمران بھی تھا، لیکن جب عمارت سنسان ہو گئی تو وہ دوبارہ لوٹ کر عمارت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے انقلاب کی "حفاظت" کے لیے ایک نئی ترکیب سوچی تھی۔



"پیغام جزیرے کی عمارت تک پہنچانے کے بعد ڈڈ نے کچھ دیر انتظار کیا تھا کہ شاید وہ لوگ خود کو اس کے حوالے کر دینے کے لیے تیار ہو جائیں لیکن اگلے آدھ گھنٹے تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا اور جب ڈڈ کی ہدایت پر دوبارہ ٹیلی فون کیا گیا تھا تو کسی نے ٹیلی فون نہیں اٹھایا تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ روپوش ہو گئے ہیں۔" ڈڈ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں باخبر ہوں کہ اس جزیرے سے فرار کا زیر زمین راستہ کوئی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ عمارت میں نہ سہی لیکن اس جزیرے پر ضرور موجود ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک کو ڈھونڈ نکالوں گا۔"

اس کے فوراً بعد ڈڈ نے ایڈوانس کا حکم دے دیا تھا اور فرنٹ ذرس کے جوانوں نے نہایت چوکنی نظروں اور ... قدموں کے ساتھ جزیرے کے مرکزی حصے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر طرف سے بڑھ رہے تھے۔ اس کا مطلب

تھا کہ باغیوں کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ وڈ بہت مطمئن تھا۔ ظاہر ہے کہ اب فرار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

لیکن اچانک فرنٹ فورس کے جوانوں پر مختلف سمتوں سے فائر ہونا شروع ہو گئے۔ یہ فائر اندھا دھند کیے گئے تھے اور اکثر فائر اسٹین گنوں کے تھے۔

احتیاط اور ہوشیاری کے باوجود یہ فائرنگ ان جوانوں کے لیے بہت اچانک تھی، کیوں کہ خاموش فضا میں اچانک ہی یہ شور گونج اٹھا تھا۔ چند ایک جوان زخمی ہو کر رک گئے لیکن باقیوں نے تقریباً زمین کے ساتھ چپک کر آگے بڑھنا جاری رکھا تھا۔ وہ گھیرا تنگ کرتے جا رہے تھے لیکن ابھی تک انہیں اپنے علاوہ اور کوئی شخص ایسا دکھائی نہیں دیا تھا جسے باغی سمجھ کر اس کے خلاف کارروائی کرتے۔

فائرنگ رک گئی تھی اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ لیکن معمولی سے وقفے کے بعد ایک زور دار دھماکہ ہوا اور دھواں سا اٹھنے لگا۔ یہ ہینڈ گرینیڈ تھا جو باغیوں کی طرف سے ان کی طرف اچھالا گیا تھا۔ اس ہینڈ گرینیڈ سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا البتہ فرنٹ فورس کے جوانوں کی آنکھیں چیزوں کو دیکھنے سے اور زیادہ معذور ہو گئی تھیں اور ان کے درمیانی فاصلے میں خاصی بے ترتیبی آ گئی تھی۔ بہرحال وہ

مسلسل آگے بڑھتے جا رہے تھے پھر یک دم وہ رک گئے اور حیرانی سے اس عظیم الشان شعلے کو دیکھنے لگے جو کان پھاڑ دینے والے دھماکے کے ساتھ اچانک ہی زمین کی سطح پر روشن ہو گیا تھا۔

یہ روشن ہونے والا شعلہ دراصل وہ عمارت تھی جس میں کچھ دیر پہلے انقلاب پسندوں کا اجلاس ہو رہا تھا اور جس میں عمران بہت خاموشی کے ساتھ داخل ہو گیا تھا۔

عمارت دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور شعلے آگ کی مخصوص خوفناک آواز کے ساتھ ہوا کے زور پر دائیں بائیں لہرا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی آتش فشاں اچانک پھٹ پڑا ہو۔ جزیرے پر پھیلی ہوئی تاریکی و نیم تاریکی ایک دم زائل ہو گئی تھی اور دور دور تک سمندر کا پانی بھی روشن ہو گیا تھا۔

آگ اب عمارت کے گرداگرد درختوں کو چاٹ کر آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہی تھی اور آگ کو آگے بڑھنے کا راستہ جزیرے پر اگے ہوتے یا اگائے گئے وہ درخت ہی فراہم کر رہے تھے جنہوں نے تقریباً پورے جزیرے کو گھیر رکھا تھا۔

گراہم وڈ جزیرے کے کنارے پر ایک موٹر بوٹ میں سوار وائرلیس کے ذریعے فرنٹ فورس کو ہدایات جاری کر رہا

تھا۔ اس نے جوانوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

"باغی اب خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔" ڈڈ نے فورس کمانڈر سے کہا تھا۔ "تمہیں اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ پھیلتی ہوئی آگ اب ان کو تمہاری طرف کھینچ کر لا رہی ہے لیکن یاد رکھو! زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا ہوگا۔ یہ ایک سیاسی حکومت کے باغی ہیں اور ایسے باغیوں کو سزائیں عدالتی کارروائیوں کے بعد ہی دی جاتی ہیں۔"

پھر واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ درختوں کی آڑ میں چھپے ہوئے فورس کے جوانوں نے دیکھا کہ تیزی سے پھیلتی ہوئی آگ سے ہراساں ہو کر یہ باغی بدحواسی کے عالم میں اپنی پناہ گاہیں چھوڑ کر جزیرے کے کنارے کی طرف آ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ سے احتیاط اور حواس کا دامن چھوٹا ہوا تھا۔ وہ ایک دشمن سے جان بچانے کے لیے نکلے تھے لیکن اب دو دشمنوں نے مل کر انہیں گھیر لیا تھا اور ان کے لیے فرار کا راستہ بالکل غیر محفوظ کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں ان کا بدحواس ہونا ایک فطری سی بات تھی۔ لہذا اب انہیں اپنی حفاظت کا ہوش بھی نہیں رہا تھا۔ وہ آگ کے خوف میں مبتلا تھے اور بھول چکے تھے کہ آگ سے بچتے بچتے وہ ان لوگوں کے نرغے میں چلے جائیں گے جو پہلے ہی ان پر عذاب بن کر ٹوٹنے والے تھے۔

درختوں کی آڑ سے نکل کر بے تحاشا بھاگتے ہوئے ان لوگوں میں سے اکثر نہتے تھے اور جن کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے وہ ان کے استعمال سے غافل ہو چکے تھے۔ یہ تعداد میں کوئی بیس پچیس کے قریب ہوں گے۔ فرنٹ فورس کے جوانوں نے اپنے ہتھیار نیچے کر لیے اور انہیں زندہ دبوچنے کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک کے بعد وہ اتنی آسانی کے ساتھ پکڑے جاتے رہے تھے جیسے بہتا ہوا پانی از خود ڈھلوانی زمین کی طرف رخ کر لیتا ہے۔ انتہائی مہارت کے ساتھ فورس کے جوان ان کے ہاتھوں پیروں کو جکڑ کر انہیں بے بس کرتے جا رہے تھے۔ صرف پندرہ منٹ کے اندر پچیس افراد گرفتار کیے جا چکے تھے۔ فورس کمانڈر وائرلیس کے ذریعے گراہم ڈڈ کو برابر تمام حالات سے باخبر کرتا اور ان سے ہدایات وصول کرتا جا رہا تھا۔

"ان گرفتار شدہ لوگوں کو لے کر فوراً پیچھے کی طرف آنے کی کوشش کرو!"

گراہم ڈڈ نے کمانڈر سے کہا تھا۔

"آگ نے جزیرے کے بیشتر حصے کو گھیر لیا تھا۔ اب تمہیں موجود رہنے کی ضرورت نہیں۔ کناروں کی طرف لوٹ آؤ تمہارا بچا کھچا شکار خود تمہارے پاس آ جائے گا۔"

ہدایت ملتے ہی فورس کے جوانوں نے ان لوگوں کو کندھوں پر لادا تھا اور حفاظتی دستے کی نگرانی میں آہستہ آہستہ چاروں طرف سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا تھا۔

اچانک ایک چیخ بلند ہوئی۔ کچھ جوانوں نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ ایک خوفناک منظر تھا۔ وہ رک گئے اور بہت عجیب کیفیت کے ساتھ اس منظر کو دیکھنے لگے۔

یہ انہی باغیوں میں سے ایک تھا جو ابھی ابھی جلتے ہوئے درختوں کے ایک جھنڈ سے نکلا تھا۔ اس کے لباس کو آگ لگ چکی تھی اور وہ آدمی کی بجائے کسی بھٹی سے اٹھتا ہوا شعلہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کے منہ سے کربناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں اس کے بدن کا گوشت آگ میں جل رہا تھا اور وہ زندگی بچانے کی خواہش میں اذیت کی شدت سے چیخ رہا تھا۔

پھر وہ ایک جگہ اس تیزی سے چاروں طرف گھومنے لگا۔ اس کا وجود ایک مکمل شعلہ بن چکا تھا اور یہ زندگی کی آخری حرکت تھی جو اس سے سرزد ہو رہی تھی۔ اس کی آواز بند ہو گئی تھی اور تیز ہوتی ہوئی حرکت اب میکانکی رفتار اختیار کر گئی تھی۔ دھڑام سے وہ شعلہ نفس آدمی زمین پر گرا جو بجھ چکا تھا۔ اس کے جسم سے آگ کی بجائے اب دھواں اٹھ رہا تھا۔ ایک انسانی جسم کوئلے میں تبدیل ہو چکا تھا اور

یہ کوئلہ اب راکھ بننے کے مرحلے سے گذرنے والا تھا۔

فرنٹ فورس کے جوانوں نے ساکت کھڑے ہو کر بے بسی کے ساتھ اس منظر کو دیکھا تھا۔ وہ چاہنے پر بھی اس آدمی کو زندہ گرفتار نہیں کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی اسے موت کے منہ سے بچا سکتے تھے۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھنے کے بعد وہ نظر ہی جھکا کر واپس مڑے تھے اور ایک دوسرے نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔

اس رات انہوں نے کل تیس آدمیوں کو گرفتار کیا۔ ان میں زیادہ تعداد صنعت کاروں اور سول انتظامیہ سے تعلق رکھنے والے باغیوں کی تھی۔ باغیوں کی ایک تعداد آگ کی لپیٹ میں آکر زندہ جل مری تھی۔ وڈ صبح تک جزیرے کو گھیرے رہا تھا۔ دن کی روشنی میں جب اس نے فورس کمانڈوز کے ہمراہ جزیرے کا جائزہ لیا تو آگ میں جل مرنے والوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جسے شناخت کیا جا سکتا۔

تحقیقاتی کمیٹیاں صبح کے وقت جزیرے پر پہنچی تھیں اور انہوں نے زور و شور سے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ عمارت کو آگ کس طرح لگائی گئی۔ عمارت کی آتش زدگی خود گراہم وڈ کے لیے ایک اچنبھے کی بات بنی ہوئی تھی کیوں کہ یہ آگ اس کی سب سے بڑی معاون ثابت

ہوئی تھی۔ اگر وہ آگ نہ لگتی تو ان باغیوں سے زبردست تصادم کا سامنا کرنا پڑتا اور دونوں طرف سے جانی نقصان کے بعد جا کر کہیں نتیجہ سامنے آتا لیکن وڈ کا کام اس آگ نے نہایت آسان کر دیا تھا اور اس کے کہنے پر عمارت کی آتش زدگی کی تحقیقات کی جا رہی تھی۔

جلے سڑے ہوئے ڈھانچے ایک جگہ اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ ابھی تک پندرہ ڈھانچے تلاش کیے جا چکے تھے۔ باقیوں کی تلاش کی جا رہی تھی۔ ایک قابلِ غور بات یہ تھی کہ گرفتار ہونے والوں کی فہرست میں عمران کا نام شامل نہیں تھا جب کہ وڈ کی اطلاع کے مطابق عمران اس اجلاس میں شریک تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ سیکرٹ سروس کا یہ تیز طرار اعزازی جاسوس بھی آگ کی نذر ہو گیا ہے۔"

وڈ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ اپنی مہم میں کامیاب ہو چکا تھا۔



اخبارات کے پاس بغاوت کو ناکام بنانے اور باغیوں کو گرفتار کرنے کی خبریں پہنچ چکی تھیں۔ ان خبروں کے مطابق ملک میں دہشت گردی کی کارروائیوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا تھا۔ خبریں جزیرے پر چھاپے کی کارروائی مکمل کرنے کے اگلے روز رات گئے اخبارات کو روانہ کی گئی تھیں اور گراہم وڈ کا ذکر نہایت شاندار لفظوں کے ساتھ لیا گیا تھا۔ جس نے ملک اور قوم کو بغاوت کے خطرے سے بچا لیا تھا۔

اس شام گراہم وڈ نے ملک کے سربراہ کے ہمراہ عشائیے میں شرکت کی تھی جہاں صدر نے نہایت راز داری کے ساتھ علیحدگی میں ذاتی طور پر مسٹر وڈ کا شکریہ ادا کیا تھا۔ عشائیے کی تقریب ختم ہونے کے صرف ایک گھنٹے کے بعد وڈ اپنے ملک پرواز کر گیا تھا اور رات تک اخبارات بغاوت کی ناکامی کے بارے میں دلچسپ خبریں تیار کرتے رہے تھے۔ رات کے دو بجے اخبارات بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع

ہونے کے لیے پریس کے دانتوں تلے جا چکے تھے۔

ان اخبارات نے دن نکلتے ہی خوف زدہ لوگوں کو امن و اطمینان کی خوشخبری سنانا تھی لیکن اس سے پہلے یہ اخبارات لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچتے دن کی روشنی پھیلنے سے کچھ ہی دیر پہلے آسمان پر پھر وہی روشنی قندیلیں نمودار ہوئی تھیں اور جب ان میں سے دو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر فضا ہی میں بھسم ہو گئی تھیں تو دھماکے کی آواز نے بستی کے سوتے ہوئے لوگوں کو بیدار کر دیا تھا۔ یہ بستی "شہر آباد" سے پچاس میل دور مرادنگر تھی۔

اور جب اخبارات لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچے تو انقلاب کو ناکام بنانے اور بغاوت کو کچلنے کی خبریں اپنا منہ آپ چڑا رہی تھیں۔



انقلاب کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ جزیرے پر حکومت کی طرف سے مسلح کارروائی کے نتیجے میں حالات اس سطح پر آگئے تھے کہ اب وقت ضائع کیے بغیر یا تو انقلاب برپا کر دیا جائے یا پھر ہمیشہ کے لیے مجرموں کی طرح منہ چھپا کر زندہ رہا جائے۔

جزیرے پر چھاپے کے نتیجے میں انقلاب پسندوں کو بے اندازہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ تین بڑے سرکردہ انقلابی گرفتار کیے جا چکے تھے اور سترہ افراد آگ میں جل کر بھسم ہو گئے صرف تین ایسے تھے جو بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ایک دہشت گردی میں مہارت رکھنے والا تند خو نوجوان مختار شاہ، دوسرا ایک نوجوان آدمی آفیسر جس نے بہت کم عرصے میں بہت جلد پروموشن کی منزلیں طے کی تھیں۔ اور عنقریب اس کا عہدہ کرنل کے رینک تک ہونے والا تھا۔ اور تیسرا آدمی عمران تھا۔

ان تینوں نے اپنے آپ کو چھپتے چھپاتے جزیرے سے اس

طرح نکال لیا تھا کہ سمندر میں چھلانگیں لگا کر گہرے غوطوں میں چلے گئے تھے اور اپنی مشق کے بل پر تقریباً تین میل دور سمندر کے ساحل تک پہنچ گئے تھے۔ ساحل پر اکٹھے ہوتے ہی ان کا پہلا فیصلہ یہ ہی تھا کہ انقلاب ہر حالت میں برپا کیا جائے گا۔ عمران ان میں اتنا ہی پر جوش تھا، جیسے کہ وہ باقی دو۔

یہ ہی وجہ تھی کہ صرف ایک ہی دن کا وقفہ بیچ میں آیا تھا اور روشن قندیلیں ایک بار پھر آسمان پر دکھائی دے گئی تھیں اور اس بار روشن قندیلوں کے آپس میں ٹکرا کر راکھ ہونے کے واقع نے لوگوں کو ایسے خوف زدہ کر دیا تھا جیسے کسی قحط زدہ علاقے میں لوگوں کو ہر وقت موت کا خوف طاری رہتا ہے۔

اس کا مطلب تھا کہ انقلاب کے لیے راستہ صاف تھا۔ چنانچہ آرمی آفیسر نے اپنے فرائض سنبھالتے ہوئے فوج میں موجود ان لوگوں سے فوری رابطہ قائم کر لیا تھا۔ جن کو انقلاب کی عملی حمایت کے لیے پہلے ہی سے تیار کیا جا چکا تھا اور اب جنہیں مستعدی سے انقلاب کی کامیابی کے لیے نکل پڑنے کی ہدایت کرنا باقی تھی۔ دہشت گردی کے ماہر نوجوان نے پہلے ہی سے اپنا کام شروع کر رکھا تھا۔ ان کی نگرانی میں

سینکڑوں کی تعداد میں دہشت گردوں کے گروہ زیر زمین اور سر تلک اپنے اپنے ذمے لگائے گئے کاموں میں مصروف تھے۔ ان کا بنیادی کام لوگوں میں خوف و ہراس پھیلانا، ان کو موجودہ حکومت کے خلاف بدظن کرنے کے لیے مختلف طرح کا پروپیگنڈہ کرنا، حکم ملنے پر قتل و غارت یا تباہی و بربادی کی سرگرمیوں کا مظاہرہ کرنا شامل تھا۔

عمران کے ذمے جو کام لگایا گیا تھا اس کی نوعیت دلچسپ اور عجیب تھی۔

"آپ انقلاب کے ہیرو اور ملک کے نئے سربراہ کو اپنی حفاظت اور نگرانی میں ٹیلی ویژن اسٹیشن لے جائیں گے جہاں سے نیا سربراہ اپنی قوم سے خطاب کرے گا اور ان وجوہات کا ذکر کرے گا جن کے باعث ملک میں انقلاب کی ضرورت ناگزیر ہو چکی تھی۔"

"ہاں.....! میں خود اپنے ذمے یہ ہی کام لینے والا تھا۔" عمران نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن....."

"یہ کام اس لیے بھی آپ کے لیے مناسب ہے کہ آپ اس ملک کی سیکرٹ سروس کے لیے بڑے بڑے کارنامے سر انجام دے چکے ہیں اور اب تک آپ نے ہمیشہ مجرموں کے خلاف اور قانون، ملک و قوم کی حمایت میں اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کر کے عوام

کے دلوں میں اپنے لیے ہمدردی اور اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ وہ لوگ جو آپ کے کاموں سے واقف ہیں ان کے لیے غلط اور درست کا فیصلہ اس بات پر ہوتا ہے کہ آپ کس بات کی حمایت اور کس بات سے اختلاف کرتے ہیں ایسے میں جب لوگ آپ کو نئے سربراہ کے ہمراہ ٹیلی وژن پر دیکھیں گے تو یہ بات نئے سربراہ اور نئی حکومت کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔ کیوں کہ آپ کی موجودگی اس انقلاب کو ملک و قوم کے مفاد میں ثابت کرے گی۔"

"میں سمجھتا ہوں مختار" عمران نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا "یہ سب باتیں میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن میرا ذہن ابھی تک پریشان ہے۔

"ایک انقلابی کے ذہن میں کوئی الجھن یا پریشانی کا ہونا کوئی مناسب بات نہیں مسٹر عمران۔"

نوجوان آرمی افسر نے عمران کو خبردار کرنا چاہا تھا۔

"الجھن یا پریشانی صرف سوچنے والے ذہن ہی میں پیدا ہوتی ہے آفیسر!" عمران نے مسکرا کر کہا "چاہے یہ ذہن انقلابی کا ہو کسی باغی کا ہو۔ کسی [illegible] کا ہو یا کسی شکست خوردہ کمانڈر کا۔ غور و فکر کرنے والا دماغ ہر حال میں سوچتا ہے!"

"اوہ! میرا یہ مطلب نہیں تھا عمران صاحب!" آرمی افسر

نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہاں! آپ کسی الجھن کا ذکر کر رہے تھے بھلا!"

"میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ آخر ہمارے انقلاب کا نیا قائد کون ہوگا آخر وہ کون آدمی ہوگا جو ٹیلیویژن کی اسکرین پر عوام کو بتائے گا کہ انقلاب ناگزیر ہو گیا تھا۔"

"کم از کم وہ نیا قائد میں تو نہیں ہوں۔" آرمی افسر نے نے ہنس کر کہا تھا۔

"اور ظاہر ہے کہ میں بھی نہیں!" عمران نے حیرت کے عالم میں سوالیہ انداز میں مختار کی طرف دیکھا تھا "کیوں مختار کہیں۔۔۔"

مختار مسکرایا "جزیرے پر ہم نے جو اجلاس کیا تھا اس میں پچاس ایسے لوگ شریک تھے جن کا تعلق اس ملک کے اعلیٰ ترین طبقے سے تھا۔ لیکن ان میں سے صرف سات لوگ ایسے تھے جن کو نئے سربراہ کے بارے میں پہلے سے علم تھا۔ کہ وہ کون ہے باقی تینتالیس آدمی اس نئے قائد سے بے خبری کے عالم میں تھے۔

ان پچاس آدمیوں میں سے صرف تین آزاد ہیں جو یہاں موجود ہیں اور ان تین میں سے صرف ایک آدمی ایسا ہے جو قائد کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کون ہے اور وہ صرف

ایک آدمی میں ہوں'

مختار نے مسکراتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ سب کچھ کہا تھا۔

"تم .... ' عمران نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "مختار کہیں تم ہی تو ....

"مجھ پر شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے عمران صاحب!" مختار نے سپاٹ لیکن نرم آواز میں کہا۔ "ایک رات ہی کی بات تو ہے نا: آپ خود دیکھ لیجئے گا کہ نیا سربراہ کون ہے دیکھے..."

مختار نے جملہ ادھورا چھوڑ کر عمران کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا آپ دل سے اس ملک میں انقلاب کی حمایت میں نہیں ہیں؟"

"ممکن ہے تمہارا نشانہ درست ہو مختار!" عمران نے اپنے کندھے سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہارا سوال درست نہیں ہے" اس کا لہجہ سنجیدہ اور شکایت آمیز تھا۔

"شاید آپ ٹھیک کہتے ہیں!" مختار نے اپنی تندخو تیز اور گہری آنکھوں سے نوجوان آرمی آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس سوال کے لیے آپ سے شرمندہ ہوں۔ آپ نے اس انقلاب کے لیے جس قدر قربانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ میرے علم میں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں ان میں خواہ مخواہ ذہن میں الٹے سیدھے شبہات کا پیدا ہونا ایک فطری سی بات ہے۔ ویسے میں نے یہ بات اس لیے کی تھی کہ اگر آپ انقلاب کی حمایت میں ہیں تو پھر انقلاب کے ہیرو کے بارے میں زیادہ سوچنا غیر ضروری سا ہے۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

"نہیں..... کسی بھی انقلاب کا یہ اصول....." عمران نے دفعتاً مضبوط لہجے میں کہا تھا لیکن فوراً ہی سر جھٹک کر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اوہ! میں بہت تھک گیا ہوں شاید..." اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "خیر کوئی بات نہیں ایک رات ہی کی بات اور ہے پھر ہم انقلاب سے فارغ ہو چکے ہوں گے اور لمبی تان کر سو سکیں گے۔"

"آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے عمران صاحب!" آرمی آفیسر نے ہاتھ پھیلا کر تھکن کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ "واقعی ہم سب بہت تھک گئے ہیں۔"

مختار نے بھی اقرار میں سر ہلایا تھا اور پھر وہ تینوں تندہی سے آخری پروگرام ترتیب دینے میں مصروف ہو گئے تھے۔

انقلاب کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ رات کے ٹھیک گیارہ بجے آپریشن کا وقت طے ہوا تھا۔ فوج کا وہ مخصوص طبقہ جو انقلاب پسند تھا دارالحکومت کے اہم ترین مقامات پر قبضہ کرنے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنے کے بعد خفیہ طور پر ان مقامات کے ارد گرد پہنچ چکا تھا اور شہر کے اندرونی حصّوں میں دہشت گرد نوجوان ہتھیاروں کو اپنے لباسوں کے نیچے چھپائے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر مختلف حصّوں میں گشت کر رہے تھے تاکہ کسی مزاحمت یا احتجاج کو دبانے کا کام انجام دے سکیں۔

عمران ایک وسیع و عریض کوٹھی کے ہال میں تنہا بیٹھا منتظر تھا کہ کب نیا سربراہ ملک آئے اور وہ اس کو لے کر ٹیلیویژن اسٹیشن کے لیے روانہ ہو۔

گیارہ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے کے دوران سربراہ مملکت کی رہائش گاہ پریذیڈنٹ ہاؤس سے پچھلے سربراہ کو گرفتار کرنے

تمام ریڈیو سٹیشنوں پر قبضہ کرنے اور بعض دیگر اعلیٰ حکام کو ان کی رہائش گاہوں سے گرفتار کرنے کا پروگرام تھا۔ نئے سربراہ کو دس بجے کے قریب اس عمارت میں پہنچ جانا تھا اور دس بجنے میں اب صرف چند منٹ باقی تھے۔

عمران کی بے چینی عروج پر تھی۔ انقلاب کی گھڑیاں جب اس قدر نزدیک ہوں تو بے چینی کا اس عروج پر ہونا یقینی تھا۔ آرمی آفیسر فوجی آپریشن کے سلسلے میں اور مختار نئے سربراہ کو اپنے ہمراہ اس عمارت میں لانے کے لیے جا چکے تھے ہر انتظام پورا تھا اب محض نقارہ بجنے کی دیر تھی۔ ہر نیا لمحہ انقلاب کو اور نزدیک کر دیتا تھا۔

پھر عمران کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا۔ اس نے ہال سے باہر قدموں کی آواز سن لی تھی۔ عمران اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا نئے سربراہ کا استقبال کرنا اس کے لیے ضروری تھا جتنی دیر میں وہ آہستگی سے چلتا ہوا ہال کے دروازے تک گیا اتنی ہی دیر میں وہ دروازے پر نمودار ہو چکے تھے۔

آگے مختار تھا۔ وہی تندخو گستاخ اور مرعوب کر دینے والی تیز آنکھیں جن میں سفاکی سرخ ڈورے بن کر تیر رہی تھی اور مختار کے پیچھے اس انقلاب کے قائد اور ملک کے نئے سربراہ تھے، جناب....

عمران نے مختار کے پیچھے ہال میں داخل ہونے والی شخصیت کی صرف پہلی جھلک ہی دیکھی تھی اور اس نے ایسا محسوس کیا تھا جیسے اس کے پورے وجود میں پگھلتا ہوا سلسلہ دوڑ رہا تھا اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور مضبوطی سے انقلاب کے ہیرو کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور مصافحے میں گرم جوشی۔

"آپ کا ایک مدت سے انتظار تھا سر!"

عمران نے پُرمسرت آواز میں کہا تھا۔ نئے سربراہ نے مسکرا کر عمران کی طرف دیکھا۔

"دیکھو! میں آگیا!" نئے سربراہ نے خوش دلی سے کہا۔ دیر آید درست آید.... کیوں ــ؟" انہوں نے اپنا جملہ مکمل کر کے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

"جب آپ یہاں سے گئے تھے تو میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا۔"

عمران اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا صوفے کی طرف آ رہا تھا۔ البتہ مختار ابھی تک دروازے پر کھڑا تھا۔

"ہاں! آپ کی عمر کے اعتبار سے یہ اتنی ہی پرانی بات ہے!" انقلاب کے پوشیدہ ہیرو نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مختار نے مجھے آپ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اسے

جان کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نوجوان طبقہ کو میں بہت اپیل کرتا رہا ہوں۔

"آپ درست کہتے ہیں!" عمران کا لہجہ ایک محتاط تھا۔

"عمران صاحب آپ کو دیکھنے کے لیے بہت بے چین تھے۔ قاسم فرشتہ صاحب!" مختار نے دروازے ہی سے پکار کر کہا۔

"کیوں عمران صاحب! اس نے غلط تو نہیں کہا نا!"

"یہ ایک فطری بات تھی" عمران نے مسکرا کر کہا' بالکل اسی طرح جیسے ہم میں سے ہر شخص خدا کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہاں پوشیدہ چیزوں کے بارے میں تجسس پیدا ہو ہی جاتا ہے!" سکندر نامی قائد انقلاب نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے اجازت دیجئے! بہت سے کام نمٹانا ہیں" مختار نے واپسی کے لیے پلٹتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اپنا پروگرام معلوم ہے نا عمران صاحب!"

"ہاں! تم بے فکر رہو اور بس اب روانہ ہو جاؤ" عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے!"

"مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے سر کہ ہمارے اس

انقلاب کی سربراہی آپ کر رہے ہیں!" عمران نے مختار کے جانے کے بعد سکندر صاحب کو مخاطب کیا تھا۔

"میں نے اس انقلاب کے لیے پورے بارہ برس محنت کی ہے مسٹر عمران!" انہوں نے اپنی آنکھوں کے نیچے بھاری پپوٹوں پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "مجھے رات کی تاریکی میں اس ملک سے فرار ہونا پڑا تھا۔ اور اب رات کی تاریکی ہی میں واپس لوٹ رہا ہوں۔ اس ملک کی سربراہی میرا حق تھا اور یہ حق میں آج واپس لے رہا ہوں۔"

"بے شک۔" عمران نے سر ہلایا! پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا آپ کچھ دیر آرام کریں گے سر!" اس نے اٹھتے اٹھتے پوچھا تھا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔!" قائد انقلاب نے کسی خیال سے چونک کر پوچھا۔ "کیوں یہ ضروری ہے؟"

"جی نہیں!" عمران نے آہستگی سے کہا۔ "میں نے صرف اس لیے پوچھا تھا کہ پروگرام کے مطابق ہمیں جلد ہی اس عمارت کو خالی کر دینا ہوگا اور ایک دوسری جگہ پر ٹھہر کر کلیرنس کال کا انتظار کرنا ہوگا تاکہ ہم آپ کی تقریر کے لیے روانہ ہو سکیں۔"

"درست ہے۔۔۔۔ لیکن کیا ہم اس عمارت سے ٹیلی ویژن کے لیے روانہ نہیں ہوں گے۔۔۔۔ مختار نے تو مجھے کچھ ایسا پروگرام ہی بتایا تھا۔"

"پروگرام یہ ہی ہے جناب! لیکن میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔" عمران نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہم نے جزیرے پر اجلاس کا پروگرام صرف ایک رات قبل بنایا تھا اور وہ بھی انتہائی خفیہ لیکن اس کے باوجود اس کی خبر آؤٹ ہو گئی تھی اور ہم کو بے اندازہ نقصان ہوا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسی ہی کوئی بات اس عمارت میں بھی دوہرائی جائے آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا سر!۔۔۔"

"اوہ! ٹھیک ہے ٹھیک ہے مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔ مسٹر عمران، میں آپ کی صلاحیتوں سے بہت اچھی طرح واقف ہوں آپ اس معاملے کو بہترین طور پر سنبھال سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں چلیے ہم کہاں جا رہے ہیں" قائد انقلاب نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

"وہ ایک نہایت مختصر لیکن بہت محفوظ عمارت ہے سر! آیئے میرے ساتھ!"

عمران نے کہا اور آگے آگے چلتا ہوا ہال سے باہر نکل گیا۔ کوریڈور میں روشنی بہت مدھم تھی وہ آگے پیچھے چلتے

ہوئے عمارت سے باہر نکل آئے جہاں سیاہ رنگ کی ایک طویل و عریض موٹر کار ان کی منتظر تھی۔

عمران نے جلدی سے آگے بڑھ کر ایک چابی کے ذریعے کار کے آگے کے دروازے کھولے پھر قائد انقلاب کے بیٹھنے کے بعد خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

"اس انقلاب کے سلسلے میں جس قدر راز داری کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے اس سے میں بہت خوش ہوں۔ واقعی اس بار مجھے حکومت حاصل کرنے کے لیے آپ جیسے ہی ساتھیوں کی ضرورت تھی۔"

"صرف حکومت حاصل کرنے کے لیے نہیں جناب بلکہ حکومت چلانے کے لیے بھی۔۔۔" عمران نے ہنس کر کہا تھا۔ سکندر صاحب بھی ہنسے تھے۔ "واقعی مسٹر عمران! آپ نے بر وقت میری اصلاح کی ہے شکریہ!"

گاڑی زیادہ تر سنسان سڑکوں سے ہوتی ہوئی گذر رہی تھی۔ بالآخر وہ ایک یک و تنہا عمارت کے پورچ میں جا کر رک گئی۔ عمارت میں کوئی روشنی نہیں تھی۔

کار سے اتر کر عمران نے گیٹ پر لگی کال بیل کو دبایا تھا۔ اور صرف سیکنڈوں کے فرق سے قدموں کی چاپ سنائی دی

تھی۔ پھر دروازہ کھلا اور ایک پستہ قد آدمی ہاتھ میں شمع دان لیے ہوئے دکھائی دیا۔

"آئیے عمران صاحب!" پستہ قد آدمی نے بھاری آواز میں کہا تھا۔ عمران نے پلٹ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور سکندر صاحب کو نیچے اترنے کے لیے راستہ دے دیا تھا۔

دروازے سے گذرتے ہوئے قائد انقلاب نے لمحہ بھر کو رک کر شمع دان تھامے ہوئے پستہ قد آدمی کی طرف غور سے دیکھا تھا۔

"یہ آدمی تو نابینا ہے!" انہوں نے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! یہ پیدائشی نابینا ہے۔" عمران نے بغیر کسی تاثر کے کہا تھا۔

"تبھی تو میں سوچ رہا تھا کہ عمارت میں روشنی کیوں نہیں اب سمجھ میں آیا ہے کہ ایک اندھے کے لیے روشنی یا تاریکی دونوں کی حیثیت ایک سی ہے۔" قائد انقلاب نے کہا تھا پھر وہ چلتے چلتے رک گئے "لیکن اس نے آپ کی آواز سنے بغیر آپ کو کس طرح پہچان لیا مسٹر عمران! کیوں کہ اس نے دروازہ کھولتے ہی براہِ راست آپ کا نام لے کر پکارا تھا۔"

"کیوں کہ یہاں صرف میں آتا ہوں جناب! عمران اسی طرح چلتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "اور یہ کہ یہ نابینا آدمی میرے گھنٹی بجانے کے مخصوص انداز سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔"

"اوہ! آئی سی!"

نابینا شمعدان تھامے ہوئے ان کے پہلو میں چل رہا تھا۔ مختصر سی راہ داری عبور کر کے وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ نابینا آدمی نے شمعدان دروازے کے قریب ایک تپائی پر رکھ دی اور کمرے کے دوسرے کونے میں پہنچ کر دروازے پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے بٹن دبا دیئے۔ کمرہ ایک دم روشن ہو گیا تھا لیکن اس کی روشنی پھیلنے سے پہلے عمران دروازہ بند کر چکا تھا۔

ساٹھ برس سے زیادہ عمر کے نیم سفید نیم سیاہ بالوں والے بھاری جسم کے سکندر اعظم نامی قائد انقلاب نے حیرت سے گھوم کر چاروں طرف سے کمرے کو دیکھا تھا جو چاروں طرف دیوار سے دیوار تک مختلف آلات سے بھرا ہوا تھا۔

مختلف رنگوں کے ٹیلی فون، مختلف سائزوں کے ٹرانسمیٹر اسکرین ٹو اسکرین ٹاک کے لیے ٹیلی ویژن کے سائز کے فریم شدہ اسکرینیں اور مختلف قسم کے بٹنوں سے بھرا ہوا ایک بڑا سا بورڈ۔

"اوہ! آپ نے تو بہت معقول انتظام کر رکھا ہے یہاں۔" سکندر اعظم نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"بہت شاندار...."

"ایک شاندار شخصیت کی سربراہی میں ایک شاندار انقلاب کے لیے ایسا ہی شاندار انتظام ضروری تھا سر!" عمران مسکرایا۔

"میں تمہاری خدمات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ مسٹر عمران! یقین کرو۔ میں تمہیں اپنی پہلی کابینہ میں ہی وزیر داخلہ کا عہدہ دوں گا تم اس کے لیے بہترین آدمی ہو!"

"میں آپ کا بہت ممنون ہوں سر!" عمران نے انکساری سے سر ہلایا۔ "مجھے آپ سے ایسی ہی توقع تھی۔"

پھر وہ ٹیلی فونوں والی سمت میں بڑھ گیا تھا اور نیلے رنگ کے ایک ٹیلی فون پر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا تھا۔ دوسری طرف گھنٹی بجنے پر کسی نے ٹیلی فون اٹھایا تھا۔

"بلیک زیرو! کیا تم بول رہے ہو؟" عمران نے سپاٹ آواز میں پوچھا تھا۔

"کون.... کون بول رہا ہے؟" بلیک زیرو نے چونک کر پوچھا تھا کیوں کہ اسے ٹیلی فون ایکس۔ ٹو کے نمبر پر ہی کیا گیا تھا جس پر اسے ایکس۔ ٹو کی حیثیت ہی سے بولنا تھا۔

"میں عمران بول رہا ہوں!" عمران کی آواز کسی بھی تاثر سے

عاری تھی۔ "میں ہاؤس نمبر نائن میں ہوں تم فوری طور پر میرے پاس پہنچ جاؤ!"

"سوری عمران صاحب! مجھے افسوس ہے کہ میں ہاؤس نمبر نائن میں نہیں آ سکتا۔ میں نے سیکرٹ سروس سے لمبی چھٹی لے لی ہے اور سر سلطان نے بھی استعفیٰ دے دیا ہے۔ جولیا اور صفدر بھی یہ محکمہ چھوڑ گئے ہیں۔ آپ نے اچھا کیا جو دہشت پسندوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ہم تو یہ بھی نہیں کر سکتے...!"

"شٹ اپ!" عمران ایک دم دھاڑا تھا۔ "میں بحیثیت ایکسٹو کے تمہیں یعنی بلیک زیرو کو حکم دیتا ہوں کہ صرف پندرہ منٹ کے اندر اندر۔ یہاں میرے پاس ہاؤس نمبر نائن میں پہنچ جاؤ۔ ورنہ حکم عدولی کی سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

عمران کی آواز میں وحشیانہ سنجیدگی تھی۔

"یہ.... یہ.... یس سر!" بلیک زیرو ایک دم دہشت زدہ ہو گیا تھا۔

"سنو! اپنے ساتھ ایک اسٹیشن ویگن بھی لیتے آنا! ایک بہت پرانا مجرم نیا جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا ہے میں نے!"

عمران نے ایزی چیئر پر نیم دراز سکندر اعظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا جو عمران کی بات سنتے ہی ایک دم چونک کر سیدھا بیٹھ گیا تھا۔

عمران نے اطمینان سے ریسیور کریڈل پر رکھا تھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سکندر اعظم کی طرف بڑھتا تھا۔

"آپ کا ایک مدت سے انتظار تھا سر!" عمران کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی۔

"آپ وہی ہیں نا! جس نے اس ملک کا سودا کر دیا تھا دشمنوں کے ساتھ....!" سکندر اعظم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔

"تت.... تم کون ہو....!" اس نے عمران کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم کون ہو....!" عمران نے گونجتی ہوئی بلند جذباتی آواز میں اس کا سوال اسی کو لوٹا دیا تھا۔ "مجھ سے یہ سوال کرنے سے پہلے مجھے اس کا جواب دو۔ اور اگر مجھے اس کا جواب دینے کی جرأت تم میں نہیں تو پھر اپنے ہی آپ کو جواب دو۔ لیکن یہ بھی تمہارے بس میں نہیں تو پھر خاموش رہو اور انتظار کرو کہ فطرت تمہیں کس طرح تمہارے اعمال کا بدلا دے گی۔ یہیں اس دنیا میں۔ انہی لوگوں کے سامنے جن سے تم نے اپنا آپ چھپانا چاہا!"

عمران سخت جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھتے کے اور نزدیک جا پہنچا اور چبھتی ہوئی نظروں سے قائد انقلاب

کی آنکھوں میں جھانکا

"انقلاب زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ زندگی تبدیلی اور ارتقاء کے دائرے میں گردش کرتی ہے۔ انقلاب اسی تبدیلی اور ارتقاء کا نام ہے لیکن تم انقلابی نہیں غدار ہو غدار۔ ملک کے غدار، قوم کے غدار اور درست بات یہ ہے کہ انسانیت کے غدار۔۔ تم نے ہوس ناکی، زر پرستی اور دہشت گردی کو انقلاب سمجھ لیا ہے اور یہی تمہاری وہ غلطی ہے جس کی سزا تم کو اب بھگتنا ہوگی۔"

فرشتہ کا بدن کپکپا رہا تھا۔ اس نے منہ کھول کر کچھ کہنے کی کوشش کی، نابینا ملازم کی طرف دیکھا جو خاموش اور ساکت بند دروازے کے پاس کھڑا تھا اور ایک شکست خوردہ آدمی کی طرح دوبارہ کرسی پر گر گیا۔

عمران ابھی تک اس کو گھور رہا تھا۔



"میں نے دہشت پسندوں کی تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی تھی بالکل درست۔۔۔۔ میں نے سیکرٹ سروس کا اتنا مخلص ہونے کے باوجود اس سے لاتعلقی اختیار کر لی تھی بالکل بجا۔۔۔ میں نے وزیر داخلہ کو ہلاک کر دیا مجھے اس کا اعتراف ہے۔ لیکن کیوں۔۔۔ میں نے ایسا کیوں کیا یہی وہ داستان ہے جو سنانے کے لیے میں نے آپ کو ایکس ٹو کی اجازت سے یہاں دانش منزل کے اس میٹنگ ہال میں زحمت دی۔"

عمران خوشگوار موڈ میں کہہ رہا تھا اور اس کے سامنے کرسیوں پر وہ سبھی لوگ تھے جو اس عرصے میں نجانے کن کن صدموں اور اندیشوں سے گذر گئے تھے۔

سر سلطان جو اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے تھے لیکن عمران انہیں گھر سے پکڑ کر واپس ان کے دفتر میں لے گیا تھا۔ جولیا اور صفدر جو عمران کی محبت اور محکمے کی ناکامی سے دل برداشتہ ہو گئے اور سیکرٹ سروس کی مزید خدمت کرنے کا

کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن عمران کے ایک اشارے پر انہوں نے اپنے استعفے خود اپنے ہاتھوں سے پھاڑ کر پھینک دیئے تھے۔

ان کے علاوہ وہ سارے کارکنان جو اس کیس میں کسی نہ کسی طرح مصروف رہے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ عمران کے والد رحمان صاحب جن پر اس صدمے سے دل کا دورہ پڑ گیا تھا کہ ان کا بیٹا سیکرٹ سروس کو چھوڑ کر ان لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے جو ملک اور قوم کے خلاف تباہی و بربادی کی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور جو اس ملک میں نام نہاد انقلاب لانے کے درپے تھے۔

یہ نام نہاد انقلاب بڑی طرح ناکام ہو چکا تھا۔ پریذیڈنٹ ہاؤس پر قبضہ کرنے والے انقلابی گروہ کو اپنی کارروائی مکمل کرنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا علاوہ ازیں مختار کو بھی گرفتار کیا جا چکا تھا۔ سکندر اعظم کی سربراہی میں نئی حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھنے والے بہت سے اعلیٰ حکام اور فوجی افسران کو بھی حراست میں لے لیا گیا تھا۔

ان لوگوں کی گرفتاری اسی وجہ سے آسان ہو گئی تھی کہ ایک طرف تو جزیرے سے گرفتار ہونے والوں سے معلومات حاصل کی گئی تھیں اور دوسری جانب عمران نے سیکرٹ سروس کے

ایک خصوصی گروہ کو ان حالات اور واقعات کے بارے میں پہلے سے اطلاع دے رکھی تھی۔ یہ خصوصی گروہ براہِ راست ایکس ٹو کا حکم قبول نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے لیے صدر کی منظوری ضروری تھی۔

بالکل آخری رات عمران نے صدر کو حالات سے مکمل طور پر آگاہ کر دیا تھا۔ پہلے تو صدر کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا لیکن جب انہیں حالات کا جائزہ لینے کے بعد احساس ہوا کہ عمران انہیں گمراہ نہیں کر رہا ہے تو انہیں اس کے کہنے کے مطابق احکام جاری کرنے میں کوئی دیر نہیں لگائی تھی چنانچہ صدر کی منظوری کے بعد یہ "ریزرو گروپ" عمران کے کام آیا تھا اور اس نے راتوں رات جوابی کارروائی کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا۔ البتہ یہ کام خفیہ طور پر ہوا تھا تاکہ باغی گروپ بھانڈہ پھوٹ جانے سے متبادل طریقہ استعمال نہ کر سکے۔

اگر معاملہ صرف روشن قندیلوں کا ہوتا تو اسے کسی بھی وقت ختم کیا جا سکتا تھا۔ یہ صریحاً فضائی حدود کی خلاف ورزی تھی۔ عمران نے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

یہ اڑن طشتریوں یا قندیلوں کی طرح کی چیزیں دراصل ایسے جنگی جہاز تھے جن کا تمام میکانکی سسٹم عام جہازوں کا ساتھ لیکن ان جہازوں کو پائلٹ نہیں اڑاتے بلکہ ان کو اسی موڈ کنٹرول

سسٹم کے تحت چلایا جاتا ہے یہ جہاز ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک نے تیار کیے اور اس نے ان کو یہاں ہمارے ملک میں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے استعمال کیا۔

ان تباہ کن ہوائی جہازوں کی ہمارے ایک مکمل شہر کو تباہ کر دینے کی آخر کوئی وجہ تو ہو گی اور میں اسی وجہ کی تلاش میں بہت دور تک نکل گیا"

عمران نے فضا میں دیکھتے ہوئے کہا۔ سب لوگ انہماک سے اسے سن رہے تھے۔ "بہت کوشش کے بعد میں نے اڑن طشتریوں اور ان دہشت پسندوں میں رشتہ تلاش کر لیا لیکن ان دہشت پسندوں کا سرا پھر بھی میرے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ اور یہ ہی وہ مقام تھا جہاں مجھے ایک انتہائی حیرت ناک فیصلہ کرنا پڑا۔ وہ فیصلہ جس کے نتیجے میں جوزف جیسا آدمی مجھے ہلاک کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میں ان دہشت پسندوں کا ساتھی بن گیا اور ان کے اصل منصوبے کو جاننے کی کوشش کی۔ میرا تعلق چونکہ سیکرٹ سروس سے رہا تھا اور اسے چھوڑ کر میں ایک دم دہشت پسندوں کا ساتھ دینے کے لیے پہنچ گیا تھا چنانچہ اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ ان لوگوں نے میرا امتحان لینے کے لیے مجھے جو ہدف دیا وہ مرحوم وزیر داخلہ کا قتل تھا۔

میں جان چکا تھا کہ یہ تنظیم کسی معمولی واقع کے پیش نظر بنائی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس کے پس پردہ ایسے عزائم ہیں جن کو بے نقاب کرنے کے لیے مجھے اپنے ہاتھ سے بے چارے بے گناہ وزیر داخلہ کے خون سے رنگنے ہی پڑیں گے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔

پھر میں ان کے عزائم کو بھی جان گیا لیکن ایک آخری کڑی باقی رہ گئی کہ آخر یہ سارا ڈرامہ رچانے والا وہ کون سا فرد ہے جو ابھی تک میرے سامنے نہیں آ رہا ہے" عمران نے رک کر ایک گہرا سانس لیا اور اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں تجسس اور بے چینی تھی وہ ایک دلچسپ داستان کی طرح اس کا انجام سننا چاہ رہے تھے۔

"جزیرے پر جب گراہم ڈڈ کی نگرانی میں چھاپہ مارا گیا ہے تو میں اس اجلاس موجود تھا" عمران نے کہنا شروع کیا۔

گراہم ڈڈ اپنے ملک کا ایک معروف سیکرٹ ایجنٹ ہے لیکن ہر آدمی کی صلاحیتوں کا اظہار ایک مناسب ماحول کا محتاج ہوتا ہے۔ ڈڈ نے جزیرے پر جس انداز میں چھاپہ مارا اسے منظم کہنا درست نہ ہو گا۔۔۔ اگر اس جزیرے کی عمارت کو آگ نہ لگتی اور وہ آگ پھیل کر چاروں طرف نہ بڑھتی تو ڈڈ کی کامیابی بہت مشکل تھی کیوں کہ جزیرے پر گھنے درختوں کے جھنڈ ہیں اور باغیوں کے

پہلے ان درختوں کی آڑ لے کر جوابی کارروائی کرنا اور فرنٹ فورس کے جوانوں کو جانی نقصان پہنچانا بہت آسان تھا۔

میں نے اس بات کا جائزہ لے لیا تھا۔ آپ کی اطلاع کے لیے بتاتا چلوں کہ وہ صحافی جس نے وڈ کو یہ خبر فراہم کی تھی میرا بچپن کا دوست ہے اور جزیرے پر اسلحہ کی خبریں اسی نے ہی اسے دی تھی اور پھر اس عمارت میں آگ بھی میں نے ہی لگائی تھی یہ ہی آگ تھی جس نے گراہم وڈ کو ایک ہیرو بنا دیا لیکن افسوس کہ وڈ نے حالات کا گہری نظروں سے جائزہ نہیں لیا اور کام کو ادھورا چھوڑ کر واپس روانہ ہو گیا۔ لیکن اگلے ہی روز تبدیل نما جنگی جہاز دوبارہ نمودار ہو گئے تھے۔

بہرحال قصہ مختصر کہ بالکل آخری لمحوں میں وہ چہرہ بالآخر میرے سامنے آ گیا جس کا میں نے کتنے ہی طویل دنوں اور طویل راتوں تک اذیت ناک انتظار کیا تھا۔ یہ چہرہ قاسم فرشتہ کا تھا۔ وہی قاسم فرشتہ جو بارہ سال پہلے اس ملک کا صدر تھا۔ ایک مطلق العنان صدر جس نے دولت پرستی کے لیے وطن پرستی سے ہاتھ اٹھا لیا تھا اور ایک دشمن پڑوسی ملک سے ایک ایسا زبانی سودا طے کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ملک کا تقریباً پچاس میل کا ایک دشمنی پڑوسی ملک سے ایک ایسا زبانی سودا طے کیا تھا جس کے نتیجے میں ملک کا تقریباً پچاس میل کا ایک سرحدی علاقہ اس

پڑوسی دشمن کے قبضے میں چلا جاتا تھا۔

اگر آپ کو یاد ہو تو ان دنوں اخبارات میں اس کی بہت لمبی چوڑی خبریں شائع ہوئی تھیں۔ یہ سودا عمل میں آنے سے پہلے ہی بات کھل گئی تھی اور سکندر اعظم کو رات کی تاریکی میں ملک سے فرار ہونا پڑا تھا اس کے بعد سے وہ لاپتہ تھا اور اندر ہی اندر ایک سازش کے ذریعے دوبارہ اس ملک پر قابض ہونا چاہتا تھا۔

اقتدار کے حصول کے لیے اس نے اس ترقی یافتہ ملک کا تعاون بھی حاصل کیا جس کے بمباروں نے ہمارے ایک شہر کو تباہ کر دیا۔ دراصل وہ ترقی یافتہ ملک کبھی ہماری حمایت میں نہیں رہا ہے بلکہ اس نے ہر اس سازش میں تعاون کیا ہے جس کا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا ہو۔

پورے بارہ برس قاسم فرشتہ اقتدار حاصل کرنے کی تیاری کرتا رہا۔ اس نے دہشت گردی کا گروہ تیار کیا، پھر بتدریج فوج کے ایک غیر مطمئن گروپ کی حمایت حاصل کی لیکن اپنے آپ کو ہمیشہ پس پردہ رکھا۔ دراصل اسے اپنے ماضی کی طرف سے ڈر تھا۔ وہ خوف زدہ تھا کہ اگر اس نے اپنے آپ کو ایکسپوز کر دیا تو اس کے کردار کے باعث عوام اسے دوبارہ اقتدار پر دیکھنا بالکل پسند نہیں کریں گے لہذا پہلے

اس نے انقلاب برپا کرنے کے لیے راہ ہموار کی اور جب لوگ حالات کی خرابی کے باعث خوف زدہ ہو کر ضعیف الرائے ہو گئے تو وہ یہاں پہنچ گیا۔ وہ میرے قبضے میں آنے سے صرف تین گھنٹے پہلے اس سرزمین پر پہنچا تھا۔

لیکن میں نے اسے پہچان لیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اسے وہاں تک لے آیا جہاں سے کہیں بھی جانے کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے اور جب میں نے اصلی مجرم کا سراغ لگا لیا تو نہ میں دہشت گرد رہا تھا اور نہ ان کا ساتھی اور نہ ہی میں وہ شخص تھا جو سیکرٹ سروس چھوڑ کر گیا تھا۔

میں وہی عمران تھا جو کچھ دن پہلے سب کے درمیان تھا۔ آپ کا اپنا عمران.....“

عمران نے اپنی بات ختم کر کے دونوں ہاتھ پھیلا کر یوں سر کو جھکا دیا جیسے وہ کسی اسٹیج پر اپنا شو ختم کرنے کے بعد داد وصول کر رہا ہو۔ اور واقعی ہال میں موجود ہر شخص بے اختیار عمران کے لیے تالیاں بجا رہا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ تک تالیاں بجتی رہیں پھر رحمٰن صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے عمران کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ایک ایزی چیئر پر نیم دراز سے اور ہارٹ اٹیک کے باوجود اپنی مرضی سے یہاں آئے تھے۔

”جی؟“ عمران رحمٰن صاحب کے پاس پہنچ کر جھک کے کھڑا

ہو گیا تھا۔

”تم نے مجھے خوف زدہ کر دیا تھا لیکن اب میں مطمئن ہوں۔“ انہوں نے شفقت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

”لیکن میں مطمئن نہیں ہوں باس!“ اچانک جوزف کی آواز ابھری تھی۔

”کیوں تم کیوں مطمئن نہیں ہو؟“ عمران نے آنکھیں نکال کر جوزف کی طرف دیکھا تھا۔

”مجھے گولی لگ جاتی تو تبھی اطمینان ہوتا تیرا۔ کیوں....؟“ ایک قہقہہ بلند ہوا۔

”نہیں باس! یہ اپنا مائینڈ ایک دم آؤٹ ہو گیا تھا اب جب تک تم میرے جبڑوں پر دو تین لیفٹ پنچ لگا کر اس کو سیٹ نہیں کرو گے میں مطمئن نہیں ہوں گا!“

”ابے اس کے لیے تو میرا ایک ہی پنچ بہت ہے۔ دو تین میں تو بجائے سیٹ ہونے کے اور اپ سیٹ ہو جائے گا۔“

”نہیں باس! کم از کم تین....!“

”یہ ٹھیک کہتا ہے جی! کم از کم تین ہی سے اس کا دماغ ٹھیک ہو گا اور اگر تین اوپر سے اور پڑ جائیں گے تو دماغ کے ساتھ ساتھ تھوبڑا بھی ٹھیک ہو جائے گا لیکن پہلے یہ بتایئے کہ آج شام کو کیا پکے گا....“ یہ سلیمان تھا۔ یہ ایسی بات پر

سب پر کھلکھلا کر ہی ہنسا جا سکتا تھا۔

"نہیں آج تم کچھ نہیں پکاؤ گے!"

صفدر نے کہا تھا۔ "آج ہم سب اکٹھے کھانا کھائیں گے کسی شاندار سے ہوٹل میں"۔

"آپ بھی بہت فضول خرچ ہیں صفدر صاحب!" جولیا تنک کر بولی تھی۔ "بھئی میں اچھا بھلا کھانا پکا لیتی ہوں۔ چلیے آج میرے ہاتھ کا پکا ہوا بھی کھا لیں۔ مزا الگ اور صرفہ الگ"۔

"نہیں تم مرچیں بہت زیادہ ڈالتی ہو"۔

عمران نے کہا تھا۔ "اور پھر سالن میں کم آنکھوں میں زیادہ"۔

"چلو چلو....." جولیا نے اٹھلا کر ہاتھ جھلا کر کہا: "زیادہ بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

"کیا بننے کی ضرورت نہیں ہے....." عمران نے رحمٰن صاحب اور سر سلطان کی موجودگی کے باوجود شوخی سے کہا تھا۔

"سیکرٹ سروس کا عمران یا دہشت گردوں کا انقلابی....."

ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا۔ سر سلطان اور رحمٰن صاحب کی مسکراہٹ بھی ان قہقہوں میں شریک تھی۔

ایک مطمئن اور پرسکون مسکراہٹ جو ایسی عمر کے لوگوں کو

باوقار بزرگی عطا کرتی ہے۔

"قاسم فرشتہ کو پھانسی کب دی جائے گی عمران؟" سر سلطان نے پوچھا تھا۔

"پرسوں رات ڈھائی بجے....." عمران نے آہستگی سے کہا تھا۔

"ہنگامہ خیز سرخیاں لگانے والے اخباروں کے لیے بہت اچھا موقع ہے"۔

رحمٰن صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"کس حوالے سے رحمٰن صاحب....." سر سلطان نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"بھئی ہیڈ لائن لگانے کے حوالے سے....." رحمٰن صاحب نے کہا:

اب دیکھو نا کتنی دلچسپ سرخی بنتی ہے۔ "فرشتے کو پھانسی دے دی گئی"۔

"بہت خوب....." سر سلطان ہنستے ہوئے بولے: "بھئی بہت خوب رحمٰن صاحب! اگر میرے پاس کوئی اخبار ہوتا تو میں آپ سے یہ سرخی منہ مانگے داموں پر خرید لیتا"۔

"ارے یہ کاروبار بیچ میں کدھر سے آ گیا بھئی۔ تم اخبار والے ہو سرخیاں بہت سی!" پھر انہوں نے زور سے سر سلطان

کے ہاتھ پر ہاتھ [illegible] ہم چلیں۔ ذرا ان کو بھی کھل کھیلنے دو [illegible] ہمارے [illegible] کے دن گئے۔"

"آؤ [illegible] نے [illegible]" سر سلطان نے [illegible] سینے پہ مارا کر ہائے ہا [illegible] مسلسل جولیا کو دیکھتی رہی [illegible] عمران کو [illegible] دہشت زدہ کر رکھا تھا۔ [illegible] میں کوئی کسر باقی [illegible] ایسی [illegible] بھرے بازار میں۔" [illegible] پڑ رہا تھا۔

[illegible] کرتے ہو [illegible]" ہاتھ نچا کر بولی: [illegible] پڑنے والے تھے [illegible]

تم پر [illegible]

"بلیر [illegible] بلا [illegible]" عمران نے آنکھ دبا کر کہا [illegible] دم سرخ ہو گیا۔

"تم ہمیشہ [illegible] بے شرم تھے عمران!" اس نے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا:

"لیکن اب کچھ زیادہ ہی ہو گئے ہو!"

میں کچھ زیادہ نہیں ہوا ہوں۔ یہ سب لوگ کچھ زیادہ

ہو گئے ہیں۔" عمران نے بھرے ہوئے میٹنگ ہال کی طرف دیکھ کر کہا:

"دیکھو نا! بھلا اتنے سارے لوگوں کی یہاں کیا ضرورت تھی!"

سننے والے اس کی بات کا مطلب سمجھ کر زبردست مسکرا رہے تھے!!

